۱

سلسلۂ عوامی ادبیات

تعمیر

منزلِ اوّل

مُدیر:- ظفر پیامی

ریزیڈنسی روڈ سرینگر

کشمیر

ٹیلیفون ۶۴
تار "تعمیر سرینگر"

فی جلد ایک روپیہ

زندگی گذارنے کے دو ہی طریقے ہیں

کھٹری لکڑی کی طرح گر کر
یا شمع کی طرح جل کر ۔

میکسم گورکی

معمار

مہجور کشمیری

"مہجور کا یہ گیت پڑھکر مجھے یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا مہجور نے خود میرے تخیل کی عکاسی کی ہے۔ یا میں نے اپنی بیشتر نظموں میں مہجور کے خیال کو اپنایا ہے۔" یہ تھے وہ الفاظ جو ڈاکٹر ٹیگور نے کشمیر کے اس مایۂ ناز فنکار کے گیت کا ترجمہ پڑھکر کہے تھے۔ مہجور نے نہ زمانے کے اس سب سے بڑے شاعر کے دل کی ترجمانی کی ہے۔ بلکہ کشمیر کے لاکھوں ہونٹوں کے لبوں پر چہکتے ہوئے نغمے گواہ ہیں۔ کہ اس نظم کی موزونی اور الفاظ کی شیرینی میں اہل وطن کے دلوں کے دھڑکنوں کو سمو دیا ہے۔ کشمیری زبان کی شیرینی جو آپ کو اس کے کلام میں ملیگی۔ مشکل سے ہی کسی دوسرے شاعر کے ہاں پائینگے۔ اسکی شاعری میں آپ شیلے اور کیٹس کے فن کا حسین امتزاج پائینگے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں ان کی تخلیقات اہل علم بورژوا طبقے کے دیوانخانوں کی آرائش بنکر رہ گئیں۔ مہجور کے گیتوں۔ نظموں اور غزلوں کا مسکن لاکھوں کشمیری عوام کے دل ہیں۔ اس کا فن محض دماغ کی تہوں میں ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں کھپ جاتا ہے۔ اس کے علم کی قدر دانی کرتے ہوئے ۔ڈوگرہ راج میں اسے پٹواری کے عہدے سے بھی سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ قریب تھا کہ حکومت وقت اسے شاعری کرنے کے لئے مکمل طور پر دنیاوی دھندوں سے فراغت دینے کیلئے شاہی مہمان بنا دیتی۔ لیکن شیر کشمیر کی حکومت آجانے کی وجہ سے مہجور کو یہ فراغت ملتے ملتے ہی رہ گئی۔

کشمیر کے انقلابی ماحول نے اسکی شاعری میں بھی انقلاب پیدا کیا ہے۔ جس کا اظہار اس نے پیغام عمل میں بھی کیا ہے۔ مدیر تعمیر کو ایک بات چیت کے دوران میں اس نے بتایا۔ کہ اب وہ قلم کے ذریعے اپنے عوام کی اُس جدّ وجہد کا ساتھ دیگا۔ جو وہ اس نظام کی تعمیر کیلئے کر رہے ہیں۔ جو خود اس کے خوابوں کی جنت ہے۔ آجکل وہ دو طویل نظمیں کشمیر کی جدّ وجہد آزادی اور چالیس لاکھ عوام کے نصب العین "نیا کشمیر" کا کشمیری نظم میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اردو میں تاریخ کشمیر کی تصنیف میں مصروف ہے۔

عبد الستّار عاصی: یہ ایسا شاعر نہیں۔ جس کے متعلق کہا جا سکے۔ کہ گھر میں ادبی ماحول تھا بچپن سے ہی طبیعت میں اُبال تھا۔ اور جولانیٔ طبع کے وہ کارنامے دکھائے۔ کہ چھوٹے بڑے عش عش کر (باقی آخر پر)

ترتیب

دل کی باتیں

کشمیر کی سرزمین میں آج ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہی نہیں۔ بلکہ بین الاقوامی طاقتوں کے لئے ایک اہم جنگ کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔ گو ہتھیاروں کی جنگ تو عارضی یا مستقل طور پر بند ہو گئی ہے۔ لیکن لاکھوں کشمیری عوام کی سیاسی اور اقتصادی حقوق کے لئے جنگ ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ درحقیقت قبائلی حملہ سے فراغت پا کر اصلی جمہوری جنگ کا آغاز تو اب ہوا ہے۔ کشمیری نوجوان بھی اپنے ابھرتے ہوئے عوام کے ساتھ باقی دنیا کے جمہوریت پسند عوام کی طرح میدان عمل میں آچکے ہیں۔

کشمیری ادب میں بھی اس جنگی ماحول کی وجہ سے ایک انقلاب آیا ہے۔ تارک الدنیا اور گوشہ نشین ادیب آج میدان میں آگئے ہیں۔ ادبی دور میں صدیوں سے پوشیدہ صلاحیتوں کے فوارے اُچھل پڑے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ان تخلیقات کا کشمیر کے باہر نہ پہونچنا ادب کے ایک بڑے حصّے پر سیاہ پردہ پڑے رہنے کے مترادف ہوگا۔ دوسری طرف کشمیری عوام بیرون ریاست کے ترقی پسند ادیبوں کے اس ادب سے روشناس ہونا چاہتے ہیں۔ جسکی تخلیق وہ نہ صرف اپنے وطن بلکہ تمام دنیا کے دائمی امن اور ترقی کے لئے کر رہے ہیں۔ وقت کی ان اہم ضروریات کے پیش نظر تعمیر کے باقاعدہ سلسلے کا اجرا کیا جا رہا ہے۔ اعلےٰ ترین ادبی سیاسی اور دوسرے مضامین کے ذریعے نوجوانوں کے ذوق اور علم میں اضافہ کرنے کی کوشش کیجائیگی۔ نوجوانوں کو ملک اور قوم کی تعمیر نو کے اہم فرض کے لئے تیار ہونے کا بُلاوا دیا جائے گا۔

سامراجی۔ سرمایہ دار اور دوسرے استحصالی عناصر کی ان سازشوں کو بے نقاب کیا جائے گا۔ جن سے وہ عوام کی اقتصادی غلامی کی بیڑیاں مضبوط کر کے انہیں سیاسی طور پر بھی غلام بنانا چاہتے ہیں۔ دنیا بھر میں سامراجیوں کے خلاف آزادی کے لئے جد وجہد کرتے ہوئے عوام خصوصاً نوجوانوں کے حق میں زبردست آواز اٹھائی جائے گی۔ ان تخریبی عناصر کے خلاف قلمی جہاد کیا جائیگا۔ جو دنیا بھر میں تعمیر کے نام پر جمہوری تحریکوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ صرف اُن ہی چیزوں کو جگہ دیجائیگی۔ جو ترقی پسندی کے معیار پر پوری اترتی ہوئی ہوں۔ طلبا، اور نوجوانوں کی ذہنی ترقی کی تعمیر میں ممدّ و معاون بن سکیں۔

تعمیر کا پہلا شمارہ مندرجہ بالا قدروں پر ہی مرتب کیا گیا ہے۔ ہمیں فخر ہے۔ کہ تعمیر کو مرتب کرنے میں جہاں کشمیری اور اردو کے بزرگ اور نامور ادیبوں نے ہمارا ہاتھ بٹایا ہے۔ وہاں ایسے اہل قلم بھی شامل ہیں۔ جنکی شہرت کا آفتاب ابھی ابھی افق ادب سے طلوع ہو رہا ہے۔ اس معاونت کیلئے ہم اپنے تمام قلمی معاونین کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں۔ کہ آیندہ بھی اُن کے مشورے سے فائدہ اٹھا کر تعمیر کو عوامی ادب و سیاست کا بہترین نمایندہ بنا سکیں گے۔

"۱۹۴۷ء میں جیل سے رہا ہونے پر ہمارے سامنے سب سے اہم مسئلہ جاگیرشاہی اور مطلق العنانی سے نجات پانے کا تھا۔ اب جنگ بند ہونے کے بعد ہم پھر اسی پوزیشن پر لوٹ آئے ہیں۔ جاگیرشاہی سے مکمّل آزادی ملنی چاہئیے۔ یہ ہمارا بنیادی مسئلہ ہے۔ کشمیر کی خوبصورتی اس کے لئے مصیبت بن گئی ہے۔ دنیا کی سامراجی حکومتیں اسکو اپنے قبضے میں لانا چاہتی ہیں۔ اب یہ لوگ تقسیم مُلک کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کشمیریوں کو کسی کی پروا نہیں۔ وہ اپنے ملک کے ٹکڑے نہیں ہونے دینگے۔ یہ ملک جس طرف جائے گا۔ پُورا جائے گا۔"

مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۴۹ء کو عید میلاد النبی کے موقعہ پر شیرِ کشمیر کی حضرت بل سرینگر میں تقریر کا اِقتباس!

مہجور کاشمیری

عزمِ عمل

صُبح چھُم باغ چھُم مستانہ دل چھُم تازہ یاوُن چھُم
بہارس داد ہیوں چھُم شوقہ سان گلزار چھاوُن چھُم

موافق وقت چھُم ہمّت تہ چھُم سامانہ حاضر چھُم
بہ زورہ پرنگ چلاونہ دشمن اسمان ہاوُن چھُم

چھ ہو چھہ مژہ پوشہ تھرِ باغس کمی آبس گرِ ناگس
کھسُن چھُم ابر گتھ آسمان باران تراوُن چھُم

دوہہ پوش پوشہ ون ژارِتھ تتھی بلبُل انکہ ژھارِتھ
نووُی باغاہ بناوُن چھُم نووُی دنیا بساوُن چھُم

میرا صبح ہے۔ میرا باغ ہے۔ میرا دل مستانہ اور عہد شباب
میں نے بہار سے داد لینا ہے۔ اور میں نے شوق سے گلزار
اٹھانا ہے

وقت میری موافقت کر رہا ہے۔ مجھ میں ہمت بھی ہے
اور سامان بھی طیار ہیں۔ میں نے طاقت سے کام لے کر
دشمن کو آسمان دکھانا ہے۔ (چاروں شانے چت گرانا ہے)

باغ میں پھولوں کی جھاڑیاں خشک ہو چکی ہیں۔ چشمے
میں پانی کی کمی ہو گئی ہے۔ میں نے بادل بنکر اور آسمان پر
جا کر مینہ برسانا ہے۔

میں سدا بہار پھولوں کی نہالی (پودے) چُن چُن کر کاشت
کرونگا۔ اور بلبل بھی ویسے ہی تلاش کر کے لاؤنگا۔ میں نے
ایک نیا ہی باغ لگانا ہے۔ اور نئی دنیا بسانی ہے۔

پھہ ہنی پوشہ وِن مسنی خرابی بے خودی پستی
خودی ہنز توپ ثابت بے خودی ہند قلہ پاوُن چھم

احساس خودداری (ہستی) ہمیشہ والی ایک ہستی ہے۔ احساس
کمتری (بےخودی) خرابی اور پستی کی علامت ہے۔ میں نے
خودداری کی توپ سے بےخودی کا قلعہ مسمار کرنا ہے۔

امیرس عیش نہ شادی غریبس خانہ بربادی
بتھس مغرور آسن وال سُند ناوی مٹاوُن چھم

ایک امیر کو عیش و عشرت کے سامان میسر ہیں۔ غریب
کے لئے خانہ بربادی۔ میں نے ایسے مغرور دولتمند کا نام ہی
دنیا سے مٹانا ہے۔

مشیدن مندرن گرجن دھرم سالن نہ استانن
یمن ییتن گھرن اژنک اکوی دروازہ تھاوُن چھم

مسجدوں مندروں۔ گرجاؤں۔ دھرم سالوں۔ اور زیارت
گاہوں میں داخل ہونے کیلئے میں نے ایک ہی دروازہ رکھنا ہے۔

کشیرٕ مشرقس بیدار کرِہ وُزہ ناوہ وقتس پیٹھ
بہ آلو کاشرن ہندن کنن منز واتناوُن چھم

کشمیر ہی مشرق کو وقت پر بیدار کریگا۔ یہی آواز
میں نے ہر کشمیری کے کان میں پہنچانی ہے۔

چھُہ مہجورس پھران کھاسن یہ لوکن مس چھُہ ساری چن
دبان یہ ہنن تہ یہ پدرن پیمئے مسں ناگہ راوُن چھم

مہجور شراب کے پیمانے بھر رہا ہے۔ یہ محبت کی شراب تمام
لوگ پی لینگے۔ کہتا ہے کہ میں نے یہ شراب اپنوں اور بیگانوں میں
یکساں تقسیم کرنی ہے۔

{پریم ناتھ پردیسی}

۲۴- اکتوبر ۱۹۴۷ء

جسطرح ایک چھوٹی سی ٹھیکری جھیل میں بے شمار لہریں پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوف وہراس کی بے شمار چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھیں اور پھیلتی رہیں۔ گلیوں کی نکڑ پر ان آٹے کی دو کانوں پر مندروں اور مسجدوں میں اور عام گذرگاہوں پر ان لہروں نے چھوٹے سے گرداب بنائے۔ جن میں مرد و زن بلا امتیاز مذہب و ملت گھومنے لگے "اب کیا ہوگا۔؟" حملہ آور کہاں پہنچے۔ فلاں شخص مارا گیا۔ فلاں بھاگ کر آگیا۔ بارہ مولہ خالی ہوگا۔ سب کی زبان پر یہی تھا۔ اور سب مزید تفصیل سننے کے لئے بے تاب تھے۔ آل انڈیا ریڈیو سے ابھی اس حملے کی خبر نشر نہ ہوئی تھی۔ اور ہوتی بھی کیونکر؟ حملہ ناگہاں کیا گیا تھا۔ جب ملک بے خبر تھا۔ ملک کے باشندے بے خبر تھے۔ حکومت بے خبر تھی۔ لیکن اتنا ہونے کے باوجود بھی ہم نوجوانوں کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ہمیں یہ بچوں کا کھیل سا نظر آ رہا تھا۔ ایک ایسی تفریح جس کے بعد انسان اپنے میں نئی قوت اور نیا جوش محسوس کرتا ہے۔ ہم لوگوں کے ہراس پر قہقہے لگاتے۔ کسقدر تنگ نظر ہیں وہ جو انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ درندہ سمجھتے ہیں۔ اور خصوصًا اس بیسویں صدی میں مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ انسان درندہ نہیں تھا۔ مگر اُسے بنایا گیا تھا۔ اسکی جہالت پسماندگی اور غیر آسودہ حالی سے سیاسی شاطروں نے فائدہ اٹھاکر اس کی سرشت میں زہر گھول دیا تھا۔ اور وہی انسان جو کبھی سارے ایشیا کو انسانیت کا درس دے رہا تھا۔ آج زہر کے اثر سے پھنک رہا تھا۔ تپ رہا تھا۔ اور جو چیز اِس کے سامنے آتی تھی۔ اُسے کاٹ رہا تھا۔ جلا رہا تھا۔ مار رہا تھا۔

لوگوں کا ڈر حق بجانب تھا۔ کلکتہ اور بہار۔ پنجاب اور دہلی کے واقعات انہوں نے اگرچہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے۔ مگر ان کی لرزہ خیز کہانیاں پڑھ چکے تھے۔ اور ان ہی کہانیوں کے سائے تلے وہ اپنا مستقبل دیکھ رہے۔ وہ مستقبل جو لحظہ بلحظہ زہر کے دھوئیں میں دھکیلا جا رہا تھا۔ دسہرہ کے دن جو خوشی اور انبساط تمام لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ وہ آج کہیں نظر نہ آتی تھی۔ سب کی آنکھیں حیرت زدہ اور کان کھلے تھے۔ اور تاریکی میں بھٹکے ہوئے مسافروں کی طرح روشنی کی ایک کرن کے لئے آوارہ گھوم رہے تھے۔

امیرا کدل کی سڑکوں پر رونق بجھی ہوئی تھی۔ فوجی پہرہ لگا ہوا تھا۔ ماٹو لہرا رہے تھے۔ لیکن ان سے بھی بے بسی برس رہی تھی۔ گدا دھر سے مندر تک یہی سماں تھا۔ اور تماشہ بین کٹی ہوئی پتنگوں کی طرح ڈول رہے تھے۔ انہیں آج کے دسہرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہ بھی کیا تہوار ہے۔ کہ ایک طرف دشمن بڑھا آ رہا ہے۔ اور دوسری طرف ہزاروں سال پہلے کی روایات کو تازہ کیا جا رہا تھا۔ محض اسلئے کہ ثواب اور گناہ کی جنگ میں جو فتح ثواب کی ہوئی تھی۔ اس سے آج کے لوگ جو گگ بیتے ہر سال نئی قسم کی جنگ دیکھتے ہیں۔ متاثر ہوں۔ لیکن آج کل فتح اور ثواب کو کون پوچھتا ہے۔ آج کل وہی فاتح ہے۔ جس کے پاس تباہی کا زیادہ سے زیادہ سامان ہے۔ آج کل وہی ثوابی ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ گناہ پھیلاتا ہے۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب کشمیر کی مہارانی جی اور راجکمار موٹر میں آئے۔ اور رام محل میں داخل ہوئے۔ ان کی آمد کے تھوڑی دیر بعد شاہی سواری نیزہ باز سپاہیوں کی حفاظت میں آ گئی۔ آگے آگے حفاظتی دستہ تھا۔ اس کے بعد چھ گرانڈیل گھوڑوں والی بگھی جس میں مہاراجہ بہادر تھے۔ اور ان کے بعد دوسرا حفاظتی دستہ اور شاہی نوکر چاکر سب کے سب خاموش تھے متفکر تھے۔ چہرے بے رونق اور آنکھیں بے نور اور سڑکوں پر جمع ہوئے لوگ حیران۔ متوحش اور پریشان۔ اور رعایا نعرے لگانا چاہتے تھے۔ مگر نعرے ان کے منہ سے نکلتے ہی نہ تھے۔ صرف ان کی نظریں اوپر اٹھیں۔ ایک مضبوط امید کے ساتھ ایک مضبوط اعتقاد کے ساتھ۔ مگر شاہی سواری تماشہ بینوں کی نگاہوں کو چیرتی ہوئی

آبادیوں کو نظر انداز کرتی ہوئی نکل گئی۔ اور سڑک پر رہ گئے۔ صرف گھوڑوں کے سموں کے نشان۔ یا لوگوں کی پلٹ کر آئی ہوئی یاس بھری نظریں اور تڑپتی ہوئی وہ پریشانیاں جو دمبدم فرار پر آمادہ ہو رہی تھیں۔ راستوں کو تلاش کر رہی تھیں۔

شہر میں کیا کچھ ہوا۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ مگر جو کچھ باہر ہو رہا تھا۔ وہ سب جانتے تھے۔ چار چار اور چھ چھ آدمیوں کے مرتے ہوئے تھے۔ اور کھیر پھیر ہو رہی تھی۔

جموں کی طرف بھاگنا بہتر رہے گا۔

سواری نہیں ملتی۔

ڈپٹی پرائم منسٹر نے پٹرول دینے سے انکار کیا۔

حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔

مہاراجہ بہادر نیشنل کانفرنس کے ہاتھ میں طاقت کیوں نہیں دیتے؟

حملہ آور ادھار پہنچ گئے۔

ہمیں اپنی فوج بنانی چاہئے۔

غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔ سب اپنے اپنے تاثرات پیش کر رہے تھے۔ مگر ان میں منتہی کوئی نہ تھا۔ سب مبہم سے تھے۔ بارہ مولہ کی سڑک سے تانگے یا بیل گاڑیاں، اور چھکڑے سامان اور لوگوں سے بھرے ہوئے اس طرح آ رہے تھے۔ کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہوتا تھا۔ کہ ان میں کپڑوں کی گٹھری کون سی ہے۔ اور جاندار انسان کون ہے۔ اگر نیچے مرد عورتیں اور بچے تھے۔ تو اُن کے سروں پر صندوق غلیچے اور چٹائیاں۔

اڈے کے نزدیک پہنچ کر انسانوں میں حرکت پیدا ہوئی تھی۔ اور وہ سامان سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد نیچے کودنے اور رحم طلب نظروں سے لوگوں کی طرف دیکھتے۔ نیں رگیڈ کے رضاکار انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ اور آنِ واحد میں محفوظ مقامات پر پہنچاتے۔ سڑکوں پر گھومنے والے اُنکے

گرد بڑے بڑے دائرے بناکر جمع ہو جاتے۔ اور فوراً ان پر سوالات کی بوچھاڑ کرتے آپ کو فلاں کے متعلق کچھ علم ہے۔ وزارت میں محرر تھا۔ پناہ گزینوں کے جواب تقریباً اکثر یا ایک سے ہوتے۔ "ہمیں کچھ نہیں معلوم" وہ اس قدر گھبرائے ہوئے ہوتے۔ کہ مزید سوال کرنا بعید از انصاف نظر آتا جذبۂ ترحم اس قدر اُبھر آتا۔ کہ لوگ ان کا سامان خود کندھوں پر اٹھا کر ان کے ساتھ چلتے۔

سول لائنز میں یہ ہو رہا تھا۔ اور نیچے شہر میں لوگوں کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ مسلمانوں نے آج صبح ہی سے ہندوؤں کے مکانوں کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ نیشنل کانفرنس کے رضاکار پل والے بلّے لگا کر گلیوں، کوچوں، اور مکانوں کی نگہداشت کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اتحاد پر تقریریں کر رہے تھے۔ وہ شکست پسند ہندوؤں کو اپنے مکانات چھوڑ کر جانے سے بھی روک رہے تھے۔

"ہم فنا ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں نہیں جانے دینگے"

"ہماری پشت پر نیشنل کانفرنس اور شیر کشمیر ہے"

"ہم دو قوموں کے نظریے کو نہیں مانتے۔ یہ زہر ہے"

کشمیری ہندوؤں کے لیڈر جو سستی شہرت کے لئے بڑے معتبر بنے پھرتے تھے۔ اور معمولی واقعات پر لمبے معرکہ خیز بیانات شائع کراتے تھے۔ آج کہیں نظر نہ آتے تھے۔ اُن کے خلاف شہر بھر میں عام جذبہ ناراضی پھیلا ہوا تھا۔ اگر یہ ووٹنگ کے دن ہوتے۔ تو وہ گلے میں پھولوں کے ہار پہنے بانکے نوابوں کی طرح گلی گلی گھومتے نظر آتے۔ اور لوگوں کو اپنی چرب زبانی سے وہ سبز باغ دکھاتے۔ کہ ابد تک شاید۔ مگر وہ جانتے تھے۔ کہ آج نہ ہار کام آسکتے ہیں۔ نہ سبز باغ۔ اس لئے وہ بزدل افراد سے پہلے غالباً اپنے لئے راہ فرار تلاش کر رہے تھے۔ مگر قوم کے نوجوانوں نے اس بار اپنی ہمت سے کام لیا۔ انہوں نے جانا۔ کہ قوم کا سیاسی شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اور قوم کی حفاظت کا سارا بوجھ اِن کے کندھوں پر آپڑا ہے۔ وہ آندھی کی طرح اٹھے۔ آگے بڑھے۔ اور نیشنل کانفرنس اور پیس بریگیڈ کے رضاکاروں میں شامل ہو گئے۔ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے محلہ اور حلقہ کمیٹیوں کے تعاون کے ساتھ ہر محلے میں گشتی ٹولیاں بنا ئیں۔ اور مل جل کر کام کرنے

گئے۔ انہیں محسوس ہوا کہ فرقہ پرستی کا بھوت آج تک ان کے اذہان پر ان ہی چند لیڈروں کی مہربانی سے سوار ہو گیا تھا۔ اژدہا
کھڑکی میں اپنے مہیب دانت نکال کر ساری قوم کے سامنے کھڑا للکار رہا تھا۔ انہوں نے فوراً اپنی چھاتیوں پر قومی نشان چسپاں کئے۔ اور دل
کی تیز نوک سے گرجتے ہوئے بھوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ اور جس کا اب تک صرف احساس ہو رہا تھا۔ آندھی کی تیزی کے ساتھ آگے
بڑھی۔ اور سمندر کے ساتھ ایسی گھل مل گئی کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ کہ کونسی فوج کہاں سے اٹھی تھی۔ البتہ جب اس طرح سے سمندر
گرجنے لگا۔ تو اسکی گونج میں ایک شان۔ ایک خود اعتمادی اور ایک عظیم طاقت پیدا ہو گئی۔

شام تک سارا شہر قومی جھنڈوں سے سج گیا۔ اور شہر کے باسیوں کی چھاتیوں پر قومی نشان سے ایسا دکھائی دیتا تھا۔
جیسے نہتے ہوتے ہوئے بھی ہمارے مکانوں پر۔ دکانوں پر۔ گذرگاہوں اور شاہراہوں پر۔ ہمارے ہاتھوں میں۔ سینوں پر
بہت بڑے ہتھیار ہیں۔ جن کے آگے نہ توپوں کی ہستی ہے۔ نہ ایٹم بموں کی۔ آج شام کو چاند ماری کے میدان میں راون اور اُن
کے ساتھیوں کے بت جلائے جانے والے تھے۔ لیکن لوگوں کو ہزاروں سال پہلے کے ہتھیاروں کا انجام دیکھنے کی مطلق خواہش نہ
تھی۔ آج وہ اس ہتھیارے کا انجام دیکھنا چاہتے تھے۔ جو بلا وجہ ان کے وطن پر چڑھ آیا تھا۔ اور ہزاروں راموں کی سیتاؤں کو
اپنے ظلم کی لنکا میں قید کر رہا تھا۔ اُن کی فوجوں کو تہ تیغ کر رہا تھا۔ اُن کی اجودھیا کو اپنے ناپاک قدموں سے روند رہا تھا۔
اُن کے سونے کے گھروں کو کئی ہزار بازوؤں سے لوٹ رہا تھا۔ لنکا کا راون ایک راکھش تھا۔ جس کے سر میں ایک راکھش کا دماغ
تھا۔ اگر اُس نے اجودھیا کے امن کو درہم برہم کرنا چاہا تھا۔ تو وہ اس سے زیادہ مواخذہ کا سزاوار نہ تھا۔ مگر پنجاب اور
سرحد کے یہ راون۔ جو علم اور روشنی کے اس زمانے میں رہتے ہوئے بھی انسان نہ بن سکے۔ صرف جلائے جانے کے
حقدار نہ تھے۔ بلکہ صفحۂ ہستی سے مٹانے کے مستحق تاکہ انسانیت بے داغ ہو۔ اور کشمیر کا شیر جس کے کندھے پر زمانے
نے رام کا دھنش رکھا تھا۔ اپنی نہتی فوجوں کو جمع کر رہا تھا۔ اُس کے وششٹ نے آج سے کئی سال پہلے اسکے دہلی اور الٰہ آباد سے

فلسفۂ حیات کا درس دیا تھا۔ اسی فلسفے کی روشنی میں وہ تیر کمان سنبھالے۔ راون کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ کل شام کو اس کی دہاڑنے غاروں سے گیدڑوں کو باہر نکال کر شہر بنایا تھا۔ اور آج شام وہ پھر دہاڑنے والا تھا۔ جبھی لوگ بھاگے جا رہے تھے۔ ان کے دلوں میں اگرچہ کچھ کچھ خوف اب بھی باقی تھا۔ مگر ان کے ہونٹوں پر شیر کشمیر زندہ باد —— ہندو مسلم سکھ اتحاد زندہ باد —— اور حملہ آور خبردار کے نعرے گونج رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے خود بخود بڑی تیزی کے ساتھ صف آرا ہو رہے تھے۔ وہ بھی اپنی معصوم زبان میں شیر کشمیر کا کیا ارشاد —— ہندو مسلم سکھ اتحاد کے نعرے لگاتے ہوئے امیرا کدل کی طرف جا رہے تھے۔ اور لوگ ان کی معصومیت، دلاوری، خود اعتمادی سے اس قدر متأثر ہو رہے تھے۔ کہ ضعیف اور ناتوان بوڑھے بھی ان کی راہ پر پلکیں بچھانے پر آمادہ ہوتے تھے۔

امیرا کدل میں چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ پلیٹ فارم کے سامنے سروں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سب کے دل دھڑک رہے تھے نظریں پلیٹ فارم کی کھڑکیوں سے ٹکرا ٹکرا پوچھ رہی تھیں۔

"کہاں ہے ہمارا نجات دہندہ —— ؟ کہاں ہے ہمارا رام ؟ —— کہاں ہے ہمارا شیر کشمیر ——" اور ان کا نجات دہندہ اندر متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ اور ادھر پر حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اور وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بھوں بھوں کرتی ہوئی موٹریں آتی تھیں۔ اور چاند ماری کی طرف جا رہی تھیں۔ ان میں بھڑکیلے لباس پہنے افسر اور فوجی تھے۔ جنہیں دسہرہ کے تہوار میں شمولیت کے بعد مہاراجہ بہادر کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنا تھا۔ لوگ ان پر حقارت آمیز قہقہے لگا رہے تھے۔ پھبتیاں اڑا رہے تھے۔ اور ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو —— یہ فرسودہ نظام کے فرسودہ پرزے ہیں۔ انہیں کچھ نہ کہو۔ انہیں رام لیلا کا جھنڈا اٹھانے دو۔ شامیانوں کے نیچے بیٹھنے دو۔ عقیدت کے طلائی ثبوت پیش کرنے دو۔ انہیں کچھ نہ کہو۔ اور وہ بار بار ہنستے تھے۔ ہا ہا

تنگ مضحکہ خیز لباس پہنے، کمر میں وہ تلواریں لٹکائے ہوئے جو میانوں کے اندر ہی زنگ آلودہ ہو چکی تھیں۔

چاند ماری میں گولے سر ہو گئے۔ بُت جلائے گئے۔ اور تماشہ بین سورماؤں کی سلامی اُتاری گئی۔ جے جے کار کے نعرے بلند ہوئے۔ فتح فتح ہوئی۔ کپڑے اور پھوس کے راون کو زیر کیا گیا۔ یہ کیا کم تھا۔ کہ اُسے زیر کرنے والے جبہ پوش زنگ آلود تلواریں لٹکائے مونچھوں پر تاؤ دئے رہتے تھے۔ لیکن عوام بے دل تھے۔ انہیں یہ سب کچھ ڈھونگ نظر آرہا تھا۔ جس کی تہ میں اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ کہ گرتی ہوئی عمارت کو برقرار رکھنے کا احساس لوگوں کو ہوتا رہے۔ وہ آج اس احساس کے لئے نہیں۔ بلکہ مدد اور بچاؤ کے لئے پریشان تھے۔ وہ اپنے محبوب رہنما کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اسکی دھاڑ کو اپنے کانوں سے سننے کے لئے بے تاب تھے۔ مگر اُس وقت اُن کا محبوب چپ تھا۔ متفکر تھا۔ اس کا جسم اگرچہ پلیٹ فارم کی بالائی منزل پر ہی تھا۔ مگر اُسکی روح اوڑی سے پرے اپنے ہموطنوں کے لئے بھٹک رہی تھی۔ ڈوگرہ فوج کے مٹھی بھر سپاہی اس وقت دشمن کے لشکروں کو درہم برہم کر رہے تھے۔ انہوں نے تباہیوں کو روکنے کے لئے سر دھڑ بازی لگائی تھی۔ برگیڈیر راجندر سنگھ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ پیچھے سے کوئی کمک نہیں آرہی۔ مگر تہ بہ کے   ؟ وہ پسپا ہو گئے تھے۔ اور دشمن اُن کی لاشوں کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

عوام نے چلا چلا کر نعرے بلند کئے "شیر کشمیر زندہ باد —— شیر کشمیر زندہ باد"۔ اس بار شیر کشمیر اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اور کھڑکی میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کا جوش و خروش اور بڑھ گیا۔ نعرے ایک بار پھر گونج اُٹھے۔ "شیر کشمیر زندہ باد۔ حملہ آور خبردار۔ ہم کشمیری ہیں تیار"

عوام کا یہ جوش و خروش دیکھ کر شیر کشمیر کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی۔ انہوں نے دھیمی آواز میں کہا:۔

میرے بھائیو! دشمن نے ہم پر اچانک حملہ کیا۔ جب ہم نے ابھی یہ فیصلہ بھی نہ کیا تھا۔ کہ ہمیں کسی مملکت میں شامل ہونا چاہئیے یا نہیں۔ کسی مملکت میں شامل ہونے سے پیشتر سب سے بڑا سوال ہمارے سامنے آزادی کا ہے۔ جو ہم سے آج کئی صدیوں سے چھینی گئی ہے۔ پھر بھی ہم نے مصمم ارادہ کیا۔ کہ ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اور اپنی خود داری اور عزت پر آنچ نہ آنے دینگے۔ میری آپ سے صرف اتنی ہی گذارش ہے۔ کہ تم متحد ہو جاؤ۔ اور اپنی قومی فوج میں بھرتی ہو کر دشمن کا مقابلہ کرو۔"

لوگوں نے جوابی نعروں میں اپنے محبوب رہنما کو اتحاد کا مکمل یقین دلایا۔ اور پھر بڑی بڑی ٹولیوں میں ہندو مسلمان اور سکھ وطن کے گیت گاتے ہوئے "ہندو مسلم سکھ اتحاد" کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ اس وقت محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مضبوط فصیل بنا رہی ہے۔ جس کی بنیادیں ہندو مسلم اور سکھ اتحاد پر ہے۔

رات کو لوگ بڑے اشتیاق سے آل انڈیا ریڈیو کی خبروں کا انتظار کرنے لگے۔ مگر بجلی کی رَو رات کے ساڑھے آٹھ بجے منقطع ہو گئی۔ جس سے اندر ہی اندر ہراس پھیلا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا۔ کہ دشمن مہوڑہ سے آگے پہنچ چکا ہے۔ اور غالبًا بونیار میں ہے۔

"وہ شخص جو خُدا کو مانتا ہے اور اپنے پڑوسی سے بیر رکھتا ہے۔ جھوٹا ہے۔ کیونکہ وہ اُس خُدا میں کیسے یقین رکھ سکتا ہے جسے وہ دیکھ بھی نہیں سکتا جبکہ اپنے اُس پڑوسی سے محبت نہیں کرتا جسے وہ دیکھ سکتا ہے"
(یسوع مسیح)

کشمیر کی تقسیم

ذکی

اے قوم تیری موت ہے کشمیر کی تقسیم
وابستۂ کشمیر ہے تقدیر کی تقسیم

کہتے ہیں شہادت گہ کشمیر کے فرزند
منظور نہیں ہے ہمیں کشمیر کی تقسیم

ہو گی نہ کبھی ملک کی تقسیم تمرّد ر
جب ہونے کی غربتِ دلگیر کی تقسیم

کشمیر ہے تصویر یہاں خلدِ بریں کی
ہو سکتی نہیں دنیا میں تصویر کی تقسیم

ہے مدکشِ خورشید جہانتابی کشمیر
ہوتی بھی ہے نادان کہیں تنویر کی تقسیم

فریاد کہ وہ خاک جو اکسیر جہاں ہے
کرتے ہیں غرض والے اسی اکسیر کی تقسیم

بلبل نے لیا نالہ فغاں گل نے اڑائی
ہو گی مرے نالہ کی بھی تاثیر کی تقسیم

ناکام عمل کا اثرِ عشق تو دیکھو
مانگا جو اثر تو ہوئی تاثیر کی تقسیم

کس ناز سے وہ دیکھ کے فرماتے ہیں مجھ سے
کیسی یہ ہے ہو جائے جو نخچیر کی تقسیم

رکھے گی نہ ہم کو وہ اِدھر کا نہ اُدھر کا
غارت گرِ افرنگی بے پیر کی تقسیم

لاحول و لاقوۃ الا باللہ
ابلیس یہاں کرتا ہے انجیر کی تقسیم

پھیلائے ہوئے بیٹھے ہیں دامانِ تمنا
جیسے ہو کسی ورثۂ جاگیر کی تقسیم

عبداللہ کا پیغام سنا دے کوئی جا کے
کشمیر کی تقسیم ہے توقیر کی تقسیم

یہ ناٹک قومی کلچرل محاذ کشمیر نے پیپلز آرٹ تھیٹر میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔
مزدوروں، کسانوں، طالبعلموں، نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کارکنوں، فوجیوں اور عام لوگوں
نے ہزارہا کی تعداد میں اس کھیل کو دیکھا ہے۔ اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ ہفتوں اس کے شو

چلتے رہے۔ عوام کی زبردست مانگ کے پیش نظر اِس ڈرامے کو پھر سے اسٹیج کیا جا رہا ہے۔

کشمیر میں یہ چھایا ناٹک اپنی نوعیت کی پہلی چیز تھی۔ جس سے قومی کلچرل محاذ نے عوام کو روشناس کرایا ہے۔ اور کشمیری آرٹ کی اس عظیم تخلیق سے اپنے بیرون ریاست کے قارئین کو روشناس کرانے کے لئے ہم اِسے تعمیر کے صفحوں پر پیش کرتے ہیں۔

کشمیر! ــــــ جس کے برف سے ڈھکے پہاڑ ـــ ان کے بازوؤں پہ بچھے مخملی مرگ ـــ خوشنما گھاٹیاں ـــ جھومتے ہوئے ہرے بھرے جنگل ـــ نغمے گاتی ہوئی ندیاں ـــ خوبصورت چشمے ـــ جھیلیں اور آبشاریں ـــ رنگ برنگ پھول ـــ پھولوں کے بوجھ سے سرنگوں کھڑے باغیچے ـــ گنگناتی ہوئی سرد ہوائیں ـــ جس کی دلکش بہار، سنہری خزاں اور برف کی چاندنی جیسی سفید چادریں لپٹی خاموش کردی ـــ

کشمیر! جس کے پر عظمت قدرتی حسن کے گیت دنیا کے سبھی شاعر گاتے ہیں۔ جس کی دھرتی کی کوکھ میں بے شمار دولت چھپی پڑی ہے۔ جس کی سرزمین پر للہ شمد اور غنی ـــ لل ایشوری اور حبہ خاتون ـــ رسول میر اور پرمانند جیسے شاعر پیدا ہوئے۔ جن کے محبت اور اتحاد کے نغمے کشمیر کی وادی کے کونے کونے میں گونجتے ہیں۔ اور یہاں کی فضا کو آشتی اور صداقت کے جذبوں سے لبریز کرتے ہیں ـــ

گمہ شبنم گلرخس زن چھی عرق دانہ نس
زونہ بیٹھ تارکھ پکان کارہ و وگن ورہ دان

کشمیر! شاعروں کے تخیل کی جنت بے نظیر ——— !
اور اس ارضی جنت کے باشندے ——— جنہوں نے اپنے خون پسینے سے ان باغیچوں کو سینچا ہے ——— اب ٹوکریوں میں پھل بھر کر تاجر کے یہاں لے جا رہے ہیں ——— جو ان کا مالک ہے ———

یہ کون ہیں؟ —— کشمیر کے مظلوم محنت کش —— صدیوں کی غلامی، استحصال، لوٹ کھسوٹ اور ظلم و تشدد سے تباہ اور بے حال انسان —— لاکھوں گز ریشم پیدا کر کے بھی پھٹے حال مزدور ——

ٹک !! ٹِک !! ٹِک !!!

اپنی باریک اور خوبصورت کھدائی سے لکڑی کے بے جان ٹکڑوں میں حسن پیدا کرنے والے نقاش!

ٹک !! ٹِک !! ٹِک !!!

اپنی آنکھوں کا نور کھو کر پشمینے پر کڑائی کرنے والے چھپی دُوز ——

یہ رنگ برنگ ملائم ریشم —— لکڑی اور پیپر ماشی کی خوشنما سجاوٹ کی چیزیں —— ڈبے قلمدان —— پھولدان —— سگاردان —— شمعدان —— پشمینے کے رنگ شال —— کشمیری دستکاری کی دنیا بھر میں مشہور نایاب چیزیں جن سے امیر لوگ اپنے آپ کو، اپنے گھروں اور دیوان خانوں کو سجاتے ہیں —— لیکن اِن چیزوں کے پیدا کرنے والوں کی جھونپڑیوں میں ویرانی چھائی رہتی ہے ——

یہ ہیں ڈونگوں میں جاڑا، گرمی، برسات گزارنے والے ہمارے ہزارہا مانجی جو اپنے سینوں سے "ہم تُل" لگائے شہری ضروریات کی چیزیں ناوؤں میں ڈھو کر لاتے ہیں ——

بادشاہ ــــــ پادشاہ!
یہ مزدور بوجھ ڈھوتے ڈھوتے جن کی کمر جھک جاتی ہے ــــــ
یا پیر ــــــ دستگیر!
کشمیر کے یہ غریب، صبح سے شام تک محنت کرنے والے مزدور ــــــ جن کی بے رونق ــــــ بے خواب زندگی ــــــ دوسروں کے لئے ہی دولت پیدا کرنے میں گزر جاتی ہے ــــــ
اور یہ ہیں کشمیر کے کسان ــــــ دھرتی کے بیٹے کسان ــــــ جو اپنے ہل کی نوک سے زمین کی چھاتی کو کریدتے ہیں ــــــ اپنے تھکے پاؤں سے اسے ہموار کرتے ہیں ــــــ سنوارتے سجاتے ہیں ــــــ اُمنگ سے جھوم کر بیج بوتے ہیں ــــــ پودے اگتے ہیں ــــــ اور وہ فالتو گھاس اکھیڑنے کے لئے نِند کرتے ہیں ــــــ
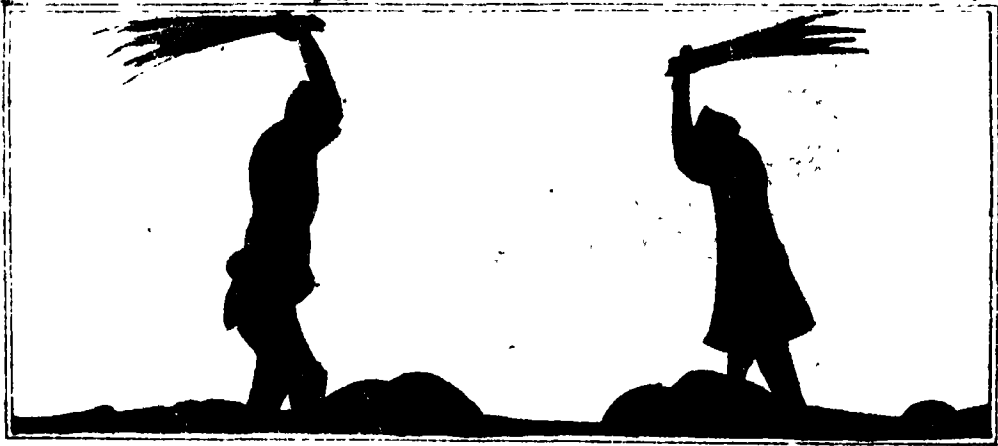
سورج تپتا ہے ——— لہلہاتے سبز کھیت، سنہرے ہو جاتے ہیں ——— امید اور خوشی میں مست کسان، فصل کاٹنے میں لگ جاتے ہیں ——— دھرتی ان کی محنت سے مسرور ہو کر سونا اگل دیتی ہے ——— یہ مزدور اور کسان، ———

ضروریات زندگی کی چیزیں پیدا کرکے ایک بار رنگین خوابوں میں ڈوب جاتے ہیں ——— کتنی بے شمار دولت ہے ———
بیوی کی ہرے رنگ کی نئی پھرن بنے گی ——— بچوں کے لئے نئے جوتے اور ٹوپیاں آئیں گی ——— گھر میں دعوت ہوگی
——— کباب اور گشتابہ پکے گا ——— ہر طرف انبساط اور خوشیوں کا عالم ہوگا ———
لیکن یہ خواب ادھورا ہی رہ گیا ——— یہ دلفریب منصوبے ظالم ہاتھوں نے پھول کی طرح مسل ڈالے ———
انسانوں کی صیاد نے ان کی محنت کے پھل ایک ایک کرکے نوچ لئے ——— انہیں بھوکا ——— ننگا ——— بے پناہ
چھوڑ دیا ——— ان کے دلوں میں پھر نا امیدی چھا گئی ———

اللہ ھُو اکبر ———

پھر وہی محنت ——— پیداوار ——— خوشحال زندگی کے رنگین خواب ——— ظالم شاہی کی لوٹ کھسوٹ ———
تباہ حالی ——— فاقہ کشی ——— بے رونق ——— بے خواب ——— ویران زندگی ———
یوں چکر چلتا ہی گیا ———
عوام کے خون سے رنگے یہ ہاتھ کس کے ہیں ؟

اپنے شدید مظالم سے ان زنجیروں کو اور کس دینے والے پٹھان سلطان !!

اپنی اندھی لوٹ کھسوٹ سے کشمیریوں کو بھوکا اور ننگا بنانے والے سکھ مہاراجے !!!

جنہوں نے جمہوریت، برابری اور انصاف، کا گلا گھونٹ کر شخصی حکومتیں قائم کیں ——— کشمیری قوم کو غلام بنا کر بیچ ڈالا ... بن گئے ——— اور سنگینوں کے بل پر کشمیر میں اقتصادی لوٹ کھسوٹ کا دور چلایا ——— اور انگریزوں سے سانٹھ گانٹھ کر کے صرف پچھتر لاکھ روپے میں ان گنت چشمے آبشار، جنگل، کانیں، آسمان کو چھونے والے شاندار پہاڑ اور خوبصورت وادیاں ——— اور لاکھوں مصیبت زدہ انسانوں کو کوڑیوں کے مول خریدنے والے ڈوگرہ مہاراجے ———

جنہوں نے کشمیری اور ڈوگرہ عوام کی پیٹھ پر بیٹھ کر ان کا پیٹ بھر کر خون چوسا ——— جنہوں نے اپنے ظلم و ستم کے آگے چنگیز خان اور نادر شاہ کا بھی سر نیچا کر دیا ——— جنہوں نے اس چوپٹ راج کو قائم رکھنے کیلئے اپنے پٹھوؤں کو جاگیریں بانٹیں ——— جاگیردار، چکدار اور سود خوار پیدا کئے ——— لوگوں کی کھیتی باڑی، صنعت و حرفت تباہ کئے ——— غربت، جہالت، بھوک اور بیماری سے جموں و کشمیر کے عوام اپنے صیاد کے پنجرے میں بند پنچھی کی طرح تڑپھڑاتے رہے ——— اور جب کبھی دکھ درد سے نڈھال کراہتے ہونٹوں سے ایک آہ، ایک کراہ اٹھی آمریت کے گماشتے نے اُس آہ کو گلے کے اندر ہی جبراً گھونٹ دیا ———

اور جاگیردارانہ نظام کا یہ آخری نمایندہ جو اپنے مغرورانداز میں گالی، گولی، لوٹ، اور فرقہ پرستی، دھوکے بازی اور جعلسازی ہی کی نعمتیں بانٹتا آیا ہے ——— ظلم و تشدد کی چکی چلانے میں جو اپنے انگریز آقاؤں سے ہمیشہ دو قدم آگے رہا ——— اس کے دور میں کسطرح :۔

سپاہی ——— ابے کہاں جاتا ہے؟
آدمی ——— حضور گھر جا رہا ہوں۔
سپاہی ——— سالا کہیں کا ۔ گھر جا رہا ہے یا چوری کرنے؟ چل تھانے میں
آدمی ——— سرکار، رحم کیجئے ——— غریب آدمی ہوں ——— گھر پر بچے انتظار کرتے ہوں گے۔
سپاہی ——— مکار کہیں کا! تھانے چلتا ہے یا نہیں؟
آدمی ——— حضور مجھے بخشئے، ایک بے قصور کو ستانے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا؟
سپاہی ——— کیا حاصل ہوگا! تھانے دار سو روپیہ جرمانہ لے گا۔ اس میں سے مجھے بیس ملیں گے ——— تھوڑا ہے۔
آدمی ——— رحم کیجئے سرکار، رحم کیجئے ———
سپاہی ——— نکالو بیس روپے، یہیں چھوڑ دونگا
آدمی ——— میرے پاس کچھ نہیں ہے سرکار

اور دیہات میں ———

کسان ——— سلام علیکم خواجہ صاحب!
خواجہ ——— (سر ہلاتا ہے) ہونہہ!
کسان ——— حکم سرکار!
خواجہ ——— ابے پرانا حساب چکانے کیلئے کیا قیامت تک انتظار کرائے گا ——— لا نکال روپے ———
کسان ——— حضور فصل ماری گئی ——— غریب آدمی ہوں ——— روپے کہاں سے ادا کروں ———

خواجہ ۔۔۔ آگ لگے تمہاری فصل کو! مجھے تو اپنے پیسوں سے غرض ہے، جلد نکالو ۔۔۔

کسان ۔۔۔ رحم کیجئے حضور! بچے بھوک سے بلک رہے ہیں ۔۔۔

خواجہ ۔۔۔ تو زہر کیوں نہیں کھا لیتے ۔ (رام جو سے) چلو اُس سالے کے برتن بھانڈے سب قرق کرالیں ۔

آج کل سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا —— پہلے ہی کھانے پر انگوٹھے لو —— تین پشت کا قرض ہے —— کوئی مذاق ہے؟ سود در سود تو چڑھتا ہی رہیگا ——

مصیبت زدہ انسان اس بے انصافی اور ظلم کے خلاف جب جب فریاد لے کر اٹھے، ڈوگرہ شاہی نے اُن پر ہنٹر برسائے —— گولیوں کی بوچھاڑ کی —— اور اسطرح سے جو خونخوار بھیڑئے اُس نے گاؤں گاؤں اور شہر شہر چھوڑ رکھے تھے —— وہ دن دہاڑے کشمیری عوام کی بوٹیاں نوچتے رہے —— اور ناک تک عیش و عشرت میں ڈوبی ڈوگرہ شاہی اپنی تجوریاں بھرتی رہی عوام کے خون سے ہولی کھیل کر گلچھرے اڑاتی رہی ——

عوام کی برداشت کا پیالہ لبریز ہوتا گیا۔ اور ستره سال پہلے ایک دن صدیوں سے دبے پڑے انسان نے انگڑائی لی —— تیرہ جولائی ۱۹۳۱ء ——

کشمیر جاگ اٹھا —— ! جاگ اٹھا !! —— جاگ اٹھا !!!

انقلاب زندہ باد —— ! انقلاب زندہ باد

انقلاب زندہ باد کے پرجوش نعرے لگاتے ہوئے کشمیر کے مزدور کسان، عورتیں اور مرد سڑکوں پر نکل پڑے، شخصی راج کا تخت ڈانوا ڈول ہونے لگا —— نوکر شاہی بوکھلا اٹھی —— نیتا گرفتار کر لئے گئے —— جنتا پر لاٹھیاں، کوڑے اور گولیاں برسائی گئیں —— لیکن شخصی راج کی لاٹھیاں، سنگینیں، بندوقیں اور توپیں عوام کی تحریک کو دبا سکیں —— جنتا کی بیداری کا سیلاب بڑھتا گیا —— بڑھتا ہی گیا —— (پس منظر سے)

ہندوستان —— (انقلاب زندہ باد) —— چین —— (انقلاب زندہ باد) —— افریقہ —— (انقلاب زندہ باد)

ہر طرف ایک سا ہی سیلاب، ظلم و تشدد اور استحصال کے خلاف غریب مظلوم انسانوں کی عظیم جدوجہد —— کشمیر بھی اس جنگ میں پیچھے نہ رہا۔

انقلاب زندہ باد —— انقلاب زندہ باد

عوام کے دشمن بدحواس ہو گئے ـــــــ مہاراجہ نے بوکھلا کر کالے قانون کی قبریں کھود ڈالیں ـــــــ اور ۱۹۸۸ء کا آرڈیننس ۱۹ اپریل نکال کر کشمیر میں لاگو کر دیا ـــــــ سول حکومت ختم ہوئی ـــــــ فوجی حکومت اور مارشل لا جاری ہو گیا ـــــــ ہر دن سپاہی اپنے کو مہاراجہ تصور کرنے لگا ـــــــ یہ چند مجاہد ہیں ـــــــ امیراکدل چوک کی طرف جا رہے ہیں ـــــــ

سپاہی ـــــــ کدھر جاتا ہے ؟ سلام کر کے نکلو ! (مجاہد ان سُنی کرتا ہے)

سپاہی ـــــــ سُنتا نہیں ـــــــ بدتمیز کہیں کا ـــــــ ٹھیک سے سلام نہیں کرتا۔ تمہارے شیخ کو بھی زمین پر ٹیک کر سلام کرنا پڑیگا تم کس کھیت کی مُولی ہو ـــــــ چلو کان پکڑ کر ایک ٹانگ پر چلو

سپاہی ـــــــ (ہنستا ہے) رسی جل گئی، ابھی اینٹھ باقی ہے ـــــــ دیکھتا ہوں یہ اکڑ کب تک رہیگی (کوڑے مارتا ہے)

اب کہو ـــــــ انقلاب زندہ باد ـــــــ سالے ذمہ دار نظام حکومت قائم کریں گے ـــــــ

شخصی راج پولیس اور فوج کا راج تھا ـــــــ سرعام عورتوں کی بے عزتی ـــــــ دن دہاڑے بھولے بھالے کشمیریوں کے گھروں میں پولیس کا گھُسنا ـــــــ مار پیٹ ـــــــ لوٹ کھسوٹ ـــــــ یہ روزمرہ کی داستان تھی ـــــــ پندرہ سال تک ان مظالم کا دور چلتا رہا عوام کا خون کھولتا گیا ـــــــ ظلم و ستم نے چراغ میں گھی کا کام کیا۔ لوگ متحد ہو کر ایک فولاد کی دیوار کی طرح شخصی راج کا مقابلہ کرنے کیلئے سینہ تان کر اُٹھ کھڑے ہوئے ـــــــ اُن کی نئی زندگی ـــــــ نئے کشمیر کے دلفریب خواب بیدار ہو گئے ـــــــ اور اُنہوں نے اپنے پُورے غصے اور جوش کے ساتھ ایک نعرہ بلند کیا، جس نے کشمیر کی وادی کے کونے کونے کو، زمین اور آسمان کو گونجا دیا ـــــــ

کشمیر چھوڑ دو ـــــــ بیعنامہ امرتسر توڑ دو

شخصی راج ـــــــ مُردہ باد

عوامی راج ـــــــ زندہ باد

شیر کشمیر، پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے رہنما گرفتار کئے گئے —— ظلم کی چکی پورے زور سے چل پڑی —— لیکن کشمیر کے عوام کی یہ انقلابی جنگ ہندوستان کی سینکڑوں ریاستوں میں تاریک اور بے حس زندگی بسر کرنے والے دبے پسے سات کروڑ انسانوں کے لئے امید کا چراغ تھی —— غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کیلئے ہر طرف جنتا کا سمندر طوفان کیطرح امڈ آیا ——

انگریز سامراج شاہی اور راجے مہاراجوں کے پیچھے تھرا اٹھے ——— پولیس ——— فوج ——— اور نوکر شاہی کے خون سے رنگے ہاتھ بھی کانپ گئے ——— انگریز نے سمجھ لیا اس سیلاب کو سنگینوں سے نہیں روکا جا سکتا ——— اس نے غلامی کے نئے جال بچھائے ——— پرسوں کا بویا پھوٹ کا بیج ۱۲ اگست کو مذہبی دنگوں اور فسادوں کی شکل میں پھوٹ پڑا ———

کلکتہ نواکھلی بہار

انگریز اور ہندوستان رجعت پسند سرمایہ داروں، زمینداروں، راجوں اور نوابوں نے سوچا کہ اسی طرح آزادی کی انقلابی تحریک فرقہ وارانہ تعصب کی لپٹوں میں جھلس کر خاک ہو جائیگی ——— لیکن کشمیر اور ہندوستان کے عوام انگریز کی اس چال میں نہیں پھنسے ——— دہلی، کلکتہ، بمبئی، پٹنہ، کشمیر ہر جگہ باغی جنتا نے مورچے باندھے ——— دشمن نے منہ کی کھائی ——— وہ تھرایا ——— اس نے پینترا بدلا ——— انگریز نے رجعت پسندوں کے ساتھ نئی سازش کی ——— فراغ دلی کا ڈھونگ رچا ——— اور خیرات کی شکل میں پھوٹ اور تعصب سے زہر آلودہ آزادی کی نیادی ردی لے کر بانٹنے آیا ———

یہ دھوکہ تھا! ——— دھوکہ تھا!! ——— دھوکہ تھا!!!

لیکن ہندوستان کے لوگ اس دھوکے کی ٹٹی کو نہ دیکھ سکے ——— وہ سمجھے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے ہیں ——— انہوں نے خوشیاں منائیں ——— گھی کے چراغ جلائے ——— جشن کئے ——— ان بھولے بھالوں نے اپنے دکھ درد اور رستے زخموں کی کسک کو ایک بار بھلا دیا ——— خوشیوں کا عالم پھوٹ پڑا ———

پندرہ اگست ——— پندرہ اگست ——— پندرہ اگست

خوشی کا یہ پُرجوش عالم ——— یہ جشن اور رنگ رلیاں ——— یہ سجاوٹ اور آرائش ہمارا زبان ———
لاکھوں کا مست ہو کر جھومنا ناچنا اور گانا ——— !

یکایک ——— (پس منظر سے)

مارو ——— مارو ——— -

نعرۂ تکبیر ——— اللہ اکبر

مارو ——— مارو ——— کافر ہے

بجے کارا ——— ہر ہر مہادیو

جو بولے سو نہال ——— ست سری اکال

ایک ہندو کے بدلے چار مسلمان ——— مارو ——— مارو ———

ایک مسلمان کے بدلے دس ہندو ——— مارو ——— مارو ———

مجھے مت مارو ——— میری بیوی ——— میرے بچے ——— آہ!

لو یہ مشعل لو ——— دیکھو وہ ہندو کا گھر ہے ——— اسے لوٹ لو ——— آگ لگا دو ———

آگ ——— آگ ——— آگ

بچاؤ ——— بچاؤ ——— بچاؤ ——— میرا بچہ ——— ہائے میرا بچہ ———

کہاں جاؤں؟ ——— نہیں نہیں ——— اسے مت مارو ——— میرا بچہ! (چیخ)

(غنڈہ بچے کو ٹیک کر اور عورت کو مار کر ہنستا ہے۔ سکھ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آتا ہے، پہلے مسلمان کو مارتا ہے)

سکھ ——— دیکھو، یہ مسلمان محلہ ہے، اپنے لوگوں کو اکٹھا کر کے اس پر دھاوا بول دو۔ خالصہ کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔

دونوں بھاگتے ہوئے نکلتے ہیں

ہندوستان کے بٹوارے کے ساتھ قتل و غارت اور بربادی کا بازار گرم ہوا ——— یہ بہادر اور سرفروش نوجوان جو آزادی

کے لئے متحد ہو کر لڑے ---- یہ ہندو اور مسلمان ---- جنہوں نے ایک ساتھ اپنے سینوں پر گولیاں کھائیں۔ جنہوں نے آزادی کے پودے کو اپنے مشترکہ خون سے سینچا ---- یہ ہندوستانی نوجوان ---- جو ایک نئے انداز سے ایک نئی انسانیت کے لئے لڑے ---- آج وہی ایک دوسرے سے الگ ہو کر ایک دوسرے کو تباہ اور برباد کر کے ایک دوسرے کے خون سے نہا کر ---- اپنی آزادی اور انسانیت سے ہاتھ دھو کر ---- ایک دوسرے سے دور ---- بہت دور ہو گئے ---- کیسی منحوس گھڑی تھی ---- کیسا بھیانک دھوکہ تھا ---- مگر کشمیر کے عوام اس دھوکے میں نہیں آئے ---- جو نفرت اور بربریت کے اس طوفان کو انہوں نے پیر پنجال سے آگے نہیں بڑھنے دیا ---- اپنی انسان پرستی نہیں چھوڑی ---- اتحاد اور بھائی چارے کی مشعل کو اور مضبوطی سے پکڑ کر آگے بڑھتے گئے ---- کشمیری عوام یہ کبھی نہیں بھولے کہ پھوٹ کا بیج بونے والے انگریز اور اس کے پٹھو ہندوستانی اور پاکستانی سرمایہ دار اور راجے مہاراجے ہیں ---- وہ جانتے تھے کہ کشمیر پر تخت شاہی کی شکست ہی ان کی سازشوں کا منہ توڑ جواب ہے ---- آج ان کے لیڈر جیلوں میں بند تھے ---- انہوں نے اپنی آزادی کی جنگ بہ دستور جاری رکھی ---- مہاتما گاندھی نے کشمیر آ کر عوام کی حوصلہ افزائی کی ---- ان کی سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں ----

انقلاب زندہ باد!

عوامی راج زندہ باد!

جیلوں کو توڑ دو!

کشمیر چھوڑ دو!

جیلوں کے دروازے ٹوٹ گئے ---- رہنما باہر آئے ----

شیر کشمیر زندہ باد

کشمیری عوام کا یہ جوش ---- یہ اتحاد ---- یہ حوصلہ ---- کشمیر کی فضا میں یہ نئی امنگیں ----

یہ نئی جوانی ۔ ۔۔ نئے کشمیر کے نئے خواب ــــــــ

لیکن اس سے کسی اور کے خواب مٹی میں مل رہے تھے ــــــــ اینگلو امریکن سامراج پرستوں کے خواب ــــــــ جنھوں نے نئی جمہوریت اور اشتراکیت کے ملک پر حملہ کرنے کے لئے کشمیر کو فوجی اڈہ بنانے کے منصوبے باندھے تھے ــــــــ جنھوں نے نئی تہذیب ــــــــ نئے تمدن اور نئے انسان کو کچل کر آزاد ملکوں کو پھر سے غلامی کے شکنجوں میں جکڑنے کی سازشیں کی تھیں ــــــــ

ان کے ان ناپاک ارادوں کی دنیا اجڑ رہی تھی ــــــــ

سامراج شاہی کی اتنی بوکھلاہٹ اور پریشانی؟ ــــــــ

کس کی تلاش میں ہیں؟ ــــــــ

ہندوستانی اور پاکستانی پٹھوؤں کی ــــــــ

اُن سب رجعت پسندوں کی جو عوام کی بڑھتی ہوئی تحریک کو کچل دینا چاہتے ہیں ــــــــ (جانتے ہیں)

لیجئے ــــــــ یہ لوگ بھی آگئے ــــــــ

ان کے چہروں پر بھی ہوائیاں اُڑ رہی ہیں —— عجیب بدحواسی چھائی ہے —— کشمیری عوام کی طاقت نے
ان سب کے بھی کل پُرزے ڈھیلے کر دئے ہیں —— سب کے سامنے صرف ایک ہی سوال ہے —— اب کیا ہوگا
؟ عوام کو ہندو اور مسلمان فرقوں میں بانٹنے کے لئے پریس اور پلیٹ فارم سے گلا پھاڑ پھاڑ کر اسلام اور ہندو دھرم

اسی آقا کے پابن سلاح اور مدد کے نعرے لگانے والے ——— کشمیری انقلاب کی سیلاب کو روکنے کے لئے پھر اپنے ——— کے لئے جانتے ہیں جو انہیں ہمیشہ سے گمراہ کرتا آیا ہے ———

چور چور موسیرے بھائی اکٹھے ہوتے ہیں ——— کشمیری عوام کے خلاف سازشوں کی کھچڑی پکاتے ہیں ——— سانٹھ گانٹھ کرتے ہیں ——— سودا پٹاتے ہیں ——— وعدے معاہدے کرتے ہیں ——— اور جب عوام کی اصلی طاقت سے بے خبر ان شیطانوں کی ساری تجویزیں مرتب ہو جاتی ہیں ——— ہر شخص شیخ چلی کی طرح اپنی کامیابی کے ہوائی قلعے بنانے میں لگ جاتا ہے ———

مہاراجہ سوچتا ہے وہ پشت در پشت قیامت تک کشمیری عوام کی پیٹھ پر بیٹھا بے خوف ان کا خون چوستا جائیگا ———

پاکستانی سرمایہ دار سوچتا ہے ——— کشمیر کی دولت اور اس کا بے نظیر حسن صرف اس کے لئے ہے ——— وہ دونوں کشمیر اسے حاصل کر کے رہیگا ———

ہندوستانی سرمایہ دار سوچتا ہے ——— کشمیر کے دامن میں چھپی بے شمار دولت بس اسی کی ہے ——— اور انگریز ——— ان اندھی بلیوں کو آپس میں لڑانے والا چالاک بندر ——— قہقہہ لگاتا ہے ——— سوچتا ہے ——— کہ ان احمقوں کو خوب الو بنایا ——— جمہوریت کے خلاف گلگت میں اس کا فوجی اڈہ بنے گا ——— پاکستان اور ہندوستان کشمیر کے سوال پر آپس میں لڑیں گے ——— اور اس انتشار تعصب اور تشدد کے عالم میں اسکی پانچوں انگلیاں گھی میں ہونگی ——— اور وہ دونوں سے مراعات حاصل کرے گا ——— (قہقہہ)
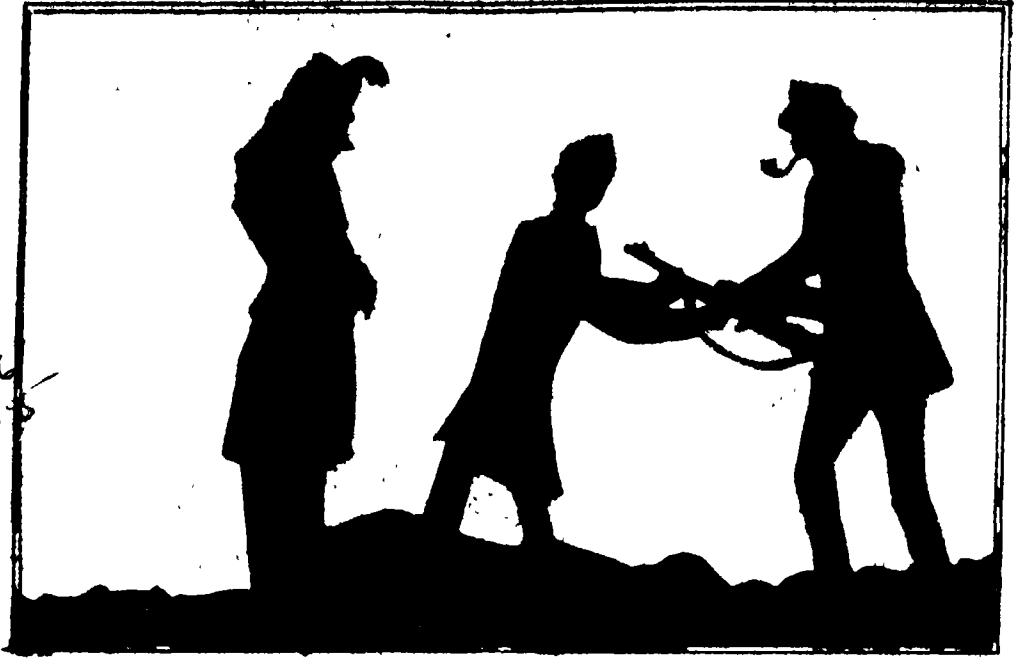
اور اس کے بعد انگریز کے اشارے پر پاکستان کے رجعت پسند رہنماؤں نے قبائلیوں کو اسلام کے نام پر اکسایا —— چھپے چھپے جنگ کی
یاریاں کیں۔ اور اچانک —— ۲۲ر اکتوبر کو —— کشمیر پر قبائلی حملہ —— معصوم نہتے لوگوں پر وحشیانہ تشدد ——
تل و غارت اور عصمت دری کے دردناک واقعات —— (پس منظر سے)

قبائلی ـــــ ٹھہرو کدھر جاتا ہے ؟ اپنے گائے بکری لاؤ۔

عورت ــ ــ خدا کا واسطہ ہم پر رحم کرو ـــــ ہم مسلمان ہے۔

قبائلی ـــ بُدھو ـــ مُسلمان ہے ـــ تمہارا گائے بکری بھی مسلمان ہے ـــ

جلد لاؤ ـــــ کدھر ہے ـــــ نہیں تو گولی مارے گا

عورت ـــــ نہیں مت مارئے ، ہم غریب ہے ـــ

(بکرا کر لے جاتا ہے)

اس مصیبت کے وقت ـــ عوام کو بے پناہ چھوڑ کر ـــ مہاراجہ ہری سنگھ بوریا بستر باندھ کر بھاگا ـــــ مگر ایک آواز سے کشمیر کے عوام نے گرج کر نعرہ دیا ـــــ

شیرِ کشمیر ـــــ زندہ باد

حملہ آور ـــــ خبردار

ہم کشمیری ـــــ ہیں تیار

یہ عوام کی ہمت اور اٹل ارادے کا نعرہ تھا ـــــ شیرِ کشمیر نے اپنے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ۔ ہندوستان سے مدد مانگی

ہزاروں ہندوستانی جوان آناً فاناً کشمیر کی حفاظت کے لئے آ پہنچے ـــــ

(ہندوستانی فوج مارچ کرتی گزر جاتی ہے)

اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے شیرِ کشمیر نے قوم کو للکارا ـــــ

کشمیر کے ہندو مسلم سِکھ ایک ساتھ اُٹھے ، انہوں نے اپنے ملک ـــــ اپنی آزادی ـــــ اپنی آبرو ـــــ اپنی عزت ـــــ

اپنی تہذیب ـــــ اپنے مسکنوں کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی ـــــ

(پس منظر سے نعرے)

یہ ملک —— ہمارا ہے
اسکی حفاظت —— ہم کرینگے
شیر کشمیر کا کیا ارشاد؟ —— ہندو مسلم سکھ اتحاد

یہ شیر کشمیر کی عوامی حکومت ہی تھی —— جس نے کشمیر کے ہر فرد بشر میں ہر عورت —— مرد —— اور بچے میں
ایک نیا جوش ایک نیا ارادہ پیدا کر دیا —— ہر گلی —— کوچے میں —— ہر شہر —— اور ہر گاؤں میں
دشمن کے خلاف لوگوں کا غصہ —— اُن کی نفرت —— اُن کی حفاظت کا جذبہ جو دلا کھی کی طرح پھوٹ پڑا —— نوجوان
مردوں اور عورتوں نے بندوقیں سنبھالیں —— ادیبوں اور فنکاروں نے اپنے قلم اور ساز اٹھا لئے ——
قومی فوج اور سلامتی دستے منظم ہوئے —— عورتوں کا خود حفاظتی دستہ بنا —— پھول جیسے کومل بچے اپنی نونہال فوج
بنا کر گلی، کوچے جگاتے پھرے ——
اور قومی کلچرل محاذ نے منظم ہو کر اپنے انقلابی گیتوں سے قوم میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کر دیا —— فضا میں ہر طرف ——
شہید شیروانی ——
ماسٹر عبد العزیز ——
بریگیڈیر راجندر سنگھ ——
اور **عثمان** کی روحیں منڈلا رہی تھیں —— اور لوگوں میں سرفروشی کی
ایک نئی تمنا جگا رہی تھیں —— پھر کیا تھا؟ —— جوانوں کے مارچ کرتے ہوئے قدموں کی آواز سے —— عوامی راج اور اتحاد کے
نعروں سے —— اور انقلابی گیتوں اور نغموں کی پُرجوش دُھن سے —— کشمیر کی وادی کا کونہ کونہ گونج اٹھا ——

" قدم قدم بڑھینگے ہم محاذ پہ لڑیں گے ہم "

" شہ میر کا روان بن ——— "

" مگر کاروان سون بڑ دنہہ بڑ ونہہ یکان گو ——— "

قدم قدم بڑھینگے ہم ——— محاذ پر لڑینگے ہم ——— یہی ہر کشمیری کا آخری فیصلہ تھا ———

ہندوستانی فوج اور کشمیری جوانوں نے وحشی قبائلیوں کے چھکے چھڑا دئے ——— راجوری میرپور ——— پونچھ ——— کرگل لداخ کے علاقوں کو انہوں نے دشمن کے چنگل سے آزاد کر دیا ———

دوسری طرف ———

(گھبرایا ہوا جاگیردار آتا ہے)

عوامی حکومت نے جاگیریں ضبط کر دی ———

قرضوں کی ادائیگی ملتوی کرا دی ———

کسانوں کو اپنی پیداوار کا $\frac{3}{4}$ حصہ دے دیا ———

صدیوں سے کشمیری عوام کا خون چوسنے والے ———

جاگیرداروں ——— وڈ داروں ——— غلہ داروں ——— منافع خوروں ——— اور اُن کے ایجنٹوں کی کمر ٹوٹنے لگی ———

(کسان جاگیردار کو مار کر بھگاتے ہیں)

پاکستانی اور سامراجی آقاؤں کے ناپاک ارادوں کے شیش محل عوام کی ایک ہی ٹھوکر سے چکنا چور ہونے لگے ———

(انگریز اور امریکہ کے پٹھو سرمایہ دار داخل ہوتے ہیں)

انہوں نے سمجھ لیا کہ بزور شمشیر کشمیر کو غلام نہیں بنایا جا سکتا ———

چین، ملایا، برما، سیام [illegible] خاتمہ نکلتے دیکھ پاکستانی جاگیرداروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی ———

عوام دشمنوں نے پینترا بدلا ——— اور اعلان کیا کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق کشمیری عوام ہی کو ہے ———

(پاکستانی جاتا ہے)

لیکن سامراجی دشمن اس استصواب رائے عامہ کی آڑ میں عوام میں پھوٹ ڈالنے ——— ان کی قومی تحریک کو توڑنے ——— اور کشمیر میں اپنا فوجی اڈہ بنانے کے لئے نئے جال بچھا رہے ہیں ——— کیونکہ ایک ایسی قوم جس کے سر پہ جاگیردارانہ نظام مسلط ہو ——— جہاں شخصی راج کا پوری طرح خاتمہ نہ ہوا ہو ——— استحصالی عناصر کی لوٹ کھسوٹ جاری ہو ——— وہ آزاد قوم نہیں کہلا سکتی - اور سامراجیوں کی نگرانی میں وہ آزادی سے اپنی قسمت کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتی ——— اسلئے کشمیری عوام کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ اپنی سیاسی اور اقتصادی آزادی حاصل کرنے کا ہے ——— لیکن استصواب رائے عامہ کی آڑ میں سامراجی دشمن میر چوہدری بن کر کشمیر کے معاملے میں مداخلت کرنے کا سنہری موقعہ پا گئے ہیں ———

اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے وہ کشمیر میں ایک بار پھر فرقہ پرستی کی آگ کو ہوا دیں گے ——— اپنے ایجنٹ غلہ داروں، جاگیرداروں ——— چکداروں ——— منافع خوروں ——— اور فرقہ پرست جاسوسوں کے ذریعے عوام کی تحریک آزادی کو کچلیں گے ——— انتشار پیدا کریں گے ——— سیاسی اور اقتصادی آزادی کے مسئلے کو آنکھوں سے اوجھل کر کے عوام کا دھیان فروعی مسائل میں الجھا دیں گے ——— اور یہ کشمیر کو سامراجیوں ——— جاگیرداروں ——— اور سرمایہ داروں کی نوآبادی اور فوجی اڈہ بنانے کے ناپاک ارادے سے ———

کچھ عجب نہیں کہ جنہوں نے کشمیری عوام پر تشدد کیا ——— ماں بہنوں کی حرمت لوٹی ——— گھر بار تباہ و برباد کئے ——— ان اینگلو امریکن سامراجیوں کے ایجنٹ ——— وہی پاکستانی اور مقامی جاگیردار ——— مذہب کا لبادہ اوڑھ کر کشمیریوں کے سامنے دوستی کا

دم بھرتے ہوئے آ جائیں

پاکستانی بندوق چھپا کر مذہبی پوشاک پہنتا ہے اور کشمیر آنے کی تیاری کرتا ہے

کشمیری جانتے ہیں کہ پاکستانی نواب اور اُن کے ایجنٹ، مقامی رجعت پسند اپنے سامراجی آقاؤں ——— اور ہندوستانی سرمایہ داروں سے ساز باز کر کے کشمیر کے خوبصورت ملک کی بندر بانٹ کی سکیم مرتب کریں ——— اور ہماری قومی تحریک ——— اور نیا کشمیر کے پروگرام کو توڑنے کی کوشش کریں ——— ———

اور اگر کشمیر ہو یا تو گمراہ کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے ——— اُن کی جنت ہے ——— مگر کشمیر کے عوام اس جنت کی حقیقت کو جانتے ہیں ——— وہ جانتے ہیں کہ پاکستان میں آئے دن سرخ پوشوں ——— کسان مزدوروں ——— طالب علموں ——— علماء دین اور مہاجروں پر ڈنڈے اور گولیاں برسائی جاتی ہیں ———

پاکستان جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ سے بے حال اور بیزار عوام جب بھوک اور افلاس سے تڑپ کر روٹی مانگتے ہیں ——— تو انہیں گالیاں اور گولیاں کھانے کو ملتی ہیں ——— وہ جانتے ہیں کہ پاکستانی جاگیرداروں نے اپنے ملک کو اینگلو امریکن سامراجیوں کے ہاتھ بیچ دیا ہے وہاں غیر ملکی سرمایہ دار کھلے بندوں عوام کا خون چوستے ہیں ——— پاکستانی ریاستوں کے نواب آج بھی مطلق العنانہ حیثیت سے عوام کی چھاتی پر بیٹھ کر ڈنگ دلتے ہیں ——— اور محنت کش عوام کی کمائی لوٹ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں ——— وہ جانتے ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کی نہیں؛ جاگیرداروں کی جنت ہے ——— ———

(——— اندھیرا ———)

اور اگرچہ کشمیر کے عوام پاکستانی اور سامراجی سرمایہ داروں اور اُن کے ایجنٹوں کی سازشوں کی وجہ سے آج بھی بھوکے ننگے ——— تباہ حال ہیں ——— اُن کی زندگی آج بھی تاریک ہے ——— بے کاری اور فاقہ کشی ——— بے رونق ——— بے خواب اور ویران ہے ———

اگرچہ آج بھی ملک کی صنعت و حرفت ——— کھیتی باڑی ——— ان بےکسوں کی اپنی نہیں - - - - اور اپنا خون پسینہ ایک کرکے - - - محنت و مشقت سے پیدا کی ہوئی دولت بھی اُن کی اپنی نہیں ——— لیکن وہ اپنی اٹھارہ سال کی بےمثال قربانیوں کو بےکار نہ جانے دیں گے ——— جس طرح وہ آج تک شخصی حکمرانوں ———

جہانگیر [illegible] — [illegible] کو ناکام کرتے آئے ہیں — [illegible] طرح اسی بار
پھر وہ [illegible] کی نئی چالوں کو ناکام [illegible] گے — [illegible] اور [illegible] سامراجی سازشوں کی کالی کرتوتوں [illegible] دیکھ چکے ہیں —

کشمیری عوام کے سامنے اپنی مکمل آزادی [illegible] نئے کشمیر کا نصب العین صاف ہے — ان کی قسمت کا ستارہ انہیں نئے کشمیر کے شاندار مستقبل کی طرف قدم بڑھانے کا اشارہ کر رہا ہے — جہاں کشمیر کے عوام مل کر "نیا کشمیر" کے اصولوں کے مطابق نئے سرے سے اپنی سیاسی اور اقتصادی زندگی مرتب کریں گے — جہاں نئی تہذیب — تمدن — سائنس — اور ادب کی روشنی سے ان کے دلوں کے تاریک گوشے جگمگا اٹھیں گے — جہاں انسان انسان کا خون نہ چوسے گا — جہاں سب آزاد اور خوشحال ہونگے —

اسلئے

کشمیری عوام کی جدوجہد آج بھی بدستور جاری ہے — اور شیر کشمیر کی رہبری میں نئے کشمیر کی راہ پر چلنے والے ہر ہندو، مسلمان، سکھ ہر کشمیری کا یہی نعرہ ہے —

سامراجیوں کے فوجی اڈے — بننے نہ دیں گے
دشمن کی چالیں — چلنے نہ دیں گے
جموں و کشمیر — کو تقسیم نہ ہونے دینگے
اپنی قومی فوج — تیار کرو
کسانوں کو — زمین دو
چور بازاری — ختم کرو
منافع خوری — بند کرو
شخصی راج — ختم کرو

نیا کشمیر — تعمیر کرو
انقلاب — زندہ باد
کسان مزدور اتحاد — زندہ باد

— ٥ —

عبدالستار عاصی

خطاب بہ نوجوانانِ کشمیر

دلو وطنہٕ چی کر سکھر نوجوانا — پنٕن بنائے پانٕے انزٕ نوجوانا

اے نوجوان آ۔ اور اپنے وطن کی تیاری کر۔ اپنے معاملے خود ہی نبھا دے۔

ژہ چھکھ وطنہ کوی اک بہادر سپاہی — ژہ کُن سارنی ہنز نظر نوجوانا

تو وطن کا ایک بہادر سپاہی ہے۔ اور تمام لوگوں کی نظریں تمہارے ہی طرف لگی ہوئی ہیں۔

محبت تھون وطنک ژٕ چھے پوی — ادا فرض وکن ژہ کر نوجوانا

اپنے وطن کی [illegible] رکھنا تمہارے اوپر ایک فرض ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تو اس فرض کو ادا کرے۔ ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ کی تیاری کر

وطن سارہ نی کاشرن ملکِ کشیر — رٹھن ملک جل گنڈ کمر نوجوانا

تمام کشمیریوں کا وطن ملک کشمیر ہے۔ اے نوجوان تمہیں چاہئے کہ تو اس ملک کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔

مسلمان، سکھ، ہندو اکی پهل کنک پهل
ګټل ئي مين پچه تبر نوجوانا

یہاں کے ہندو، سکھ، مسلمان سبھی ایک ہی پھلدار درخت کے پھل ہیں۔ (ایک ہی سرزمین سے پیدا ہوئے ہیں) باہر سے آئے ہوئے کلہاڑا مارنے والے نے اِن کو بری طرح مجروح کیا۔

اِذا دِ تو پرا بو دلت ام ن پاڅه
ڈه پچھے داره منتري تبر نوجوانا

غیر لوگوں نے اس وقت تک ظلم کھلا یہاں کے باشندوں کو تکلیف دی۔ اے نوجوان تمہیں ان سب باتوں سے واقفیت ہے۔

پرکن ناپ پیو ڈنج وُنل جایه حایه
اپڼه زبار زودِ در بدر نوجوانا

سچائی کی دھوپ نکل آئی ہے۔ اور ہر جگہ جھوٹ کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ جھوٹ بولنے والا پریشانی کی حالت میں رہ گیا۔

ہوا سونه کوی آو خبر ہیت بهاپچ
موڈر لوله پچے داره بر نوجوانا

اوائل بہار کی ہوا بہار کی خبر لیکر آئی۔ اے نوجوان! تو اُبنک دریچے اور دروازے کھول دے۔

نِنا نک ہوا دراو وشبو ګلچ ننهد
پیغام و لنک ڈه پر نوجوانا

مسرت وشادمانی کی ہوا پھولوں کی خوشبو لے کر نکلی۔ اے نوجوان! تو وطن کا یہ پیغام پڑھ لے۔

ټبر کړه شمبر وطنه کي ګل ہر میت
ستہ جایه اکسی شمبسر نوجوانا

اے نوجوان! تو تیاری کر اور وطن کے بکھرے ہوئے پھول سمیٹ ایک جگہ جمع کر لے۔

نوہ کشیرہ ہندا دگیتس کُن

ساری گمانہ تراوت تھاوم گمانہ چانوی
بوی زانہ زانہ کیاہ بیاک کیا تھد چھوشانہ چانوی

گسس گمس کرتھ اکھ ریچھتھک دوہے خلایق
نُوہ ذاژہ نی چھو پزپاٹھ لسہ نکْ بہانہ چانوی

ترژہ کرایہ تاپہ چے منز کمہ وان دوہے مژوی کرینہ
سیدان پتو چھو انکاہ ژہی آب ودانہ چانوی

کمہ ونہ نفس نوان چھی مل تان کڈنت من ہندُ
بل بیگہ بی چھہ مستی چیت خونہ بانہ چانوی

زیی چانہ ہی کمو چھاوای نو گوی ژہ زانُن
سمبریوت کھیو کمو تانہ برمنت خزانہ چانوی

نئے کشمیر کا پیغام کسانوں کے نام

تمام خیالات کو چھوڑ کر میں نے صرف تمہارا ہی خیال رکھا۔ میں ہی جانتا ہوں۔ دوسرا کیا جانے۔ تمہاری شان کتنی بلند ہے

محنت شاقہ کرکے تم نے کائنات کی پرورش کی ہے۔ اور سچ مچ جانداروں کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کا بہانہ تو ہی ہے

کڑکتی ہوئی دھوپ میں کھیتی باڑی کرکے تو ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن گیا ہے۔ اتنا کرکے بھی تمہارے لئے آب و دانہ عنقا بن گیا ہے۔

مفت خور جاگیردار وغیرہ تمہاری کمائی کا دانہ دانہ تم سے اسطرح چھین لیتے ہیں۔ جسطرح ناخنوں سے میل باہر نکال دیا جاتا ہے۔ ان مفت خوروں کو تمہارا خون چوس کر مستی پیدا ہوگئی ہے

یہ بات تمہاری سوچ اور سمجھ سے باہر ہے کہ تمہاری کمائی جو لنگر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا فائدہ کس نے اٹھایا۔ تم نے جو خزانہ (خزانہ عامرہ) جمع کیا تھا۔ وہ اوروں نے خرچ کیا۔

بوزُم سکھر چھپہ کرمِڑ جمہور بادشاہَن
لاگِت چھپہ سِشیرہ بِنہ کِن پرت کاہنہ نشانہ چاپوی

میں نے سنا ہے کہ بادشاہ جمہور نے آگے۔ جنھوں کی تیاری کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارے نشان (۲) کا نشان ہر کس کے دستار کی زینت بن گیا ہے ۔

شِنجِہ بوز وِمِز بہ کاوَن دِج ڈور باگہ داوَن
نھاون ڈوپار دہرِنت بیہ سِش میانہ چاپوی

سُن رہے جیسا کہ مجھے خبر ملی ہے۔ کہ زمین کسانوں میں تقسیم ہوگی۔ میں پھر ایک بار تمہارا سائبان ہر طرف پھیلا کر رکھو نگا

بُس فیدار وِنکِن چاپِس رسَّ کران نوش
گِرُسُند کنجک رِڈی سوی بیہ پابدانہ چاپوی

اس وقت جو زبدار تمہارا خون چوس کر لیتا ہے۔ اب وقت آیا ہے کہ وہ تمہارے گھوڑے کا سائیس بن کر رہیگا

نہ وِنُ مِہ بلہ کُلکو تھو چاپوی بہانہ بیانَیں
بِنہ کِن ونان عاَصی وِنکِن ترانہ چاپوی

میں نے اس وقت زبان کھولی۔ جب کہ لوگوں نے تمہارے معاملات ہی باعث فساد بنادئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت عاصی تمہارا ترانہ گا رہا ہے ۔

د هسه

خو بہ یا چم هکیہ ن تراوت — داغ میانی ماوت ما
اکہ دنیا آس نبہ بو آرہ ماوت — داغ میانی ماوت ما

فاقہ ننر بڈ لرہ لرہ ساوت — پھنب ژاران نهاوت کاہ
خون جگرک ژ انگہ ترا وت — داغ میانی ما وت ما

انہ ہرشیو گاش تھکہ را وت — آش نفرخ نھا وت ما
دین پوشگ رنگ لدرا وت — داغ میانی ماوت ما

پاک اشہ کوی مخنہ ژنبہ ناوت — پن پن تن ناوت ما
عاجزی ہندہ رنہ رنگہ ناوت — داغ میانی ماوت ما

کوم گردے بنجہ بردناوت — مال کھینیت نھاوت ما
حسنہ گنج لرتہ کرہ ناوت — داغ میانی ماوت ما

اردو ترجمہ

اے خواجہ تو مجھے کندھوں سے لٹکائے ہوئے بار رہا ہے۔ کہیں میرے زخمہائے دل تو نہیں دکھائے۔ میں ایک دنیا آزما کے آیا ہوں کہیں میرے زخمہائے دل تو نہیں دکھائے۔

بڑھیا اپنے بہو کے بچوں کو سلا کر خود بہو کی پشم صاف کر رہی ہے۔ اپنے جگر کا خون دئے میں جلا کے وہ یہ کام کر رہی ہے کہیں تو نے میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے۔

کنواری لڑکیوں نے شکم پری کی امید میں اپنی آنکھوں کی روشنی کو کھو دیا ~~اور~~ اپنے انار کے پھول جیسے رخساروں کا رنگ ہلدی میں بدل دیا۔ کہیں میرے یہ زخم آپ نے لوگوں کو تو نہیں دکھلائے۔

معصوم اشکوں کے موتیوں کو تاگوں میں پرو کے۔ اور تاگوں کو ان میں نہلا کے عاجزی کے خون سے رنگا گیا ہے۔ کہیں تو نے میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے۔

لنڈے[1] کی گرد سے منہ آلود کر کے لعلوں کو چھپا دیا ہے۔ حسن کے خزانے کو اس طرح سے خاک کر دیا ہے۔ کہیں میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے

[1] {پشم کی صفائی میں آتا استعمال کیا جاتا ہے}

نگہ نیوسیت گل پُڑ ناوت　کونگہ ژارے کراوُت ما
بیہ ہارن کار پُھیراوت　داغ میسانی ہاوت ما

کنگیوں سے گل جیسے ہاتھوں کو چھیدے زعفران کے پھولوں کی جیسے صفائی
بشم کی صفائی میں دیویوں نے کی۔ اور پھر اپنی گردن اس طرح سے نوکر ان کے
ہاتھ سے کٹوا بیٹھیں۔ کہیں میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے

بڈ خالی زچہ نال تزاوت　جو ہ کر کر ہتا وت ما
پوٹی وارس نهہ کھیاوہ ناوت　داغ میسانی ہاوت ما

پیٹ خالی اور بدن پر چھیتڑے۔ اور کاتتے ہوئے تاگوں کو جوڑوں سے تیار کرکے
بشم کے دوکاندار کے ہاتھ اپنی ساری محنت اکارت کرا دی۔ کہیں میرے یہ زخم لوگوں
کو تو نہیں دکھائے۔

کوت کال و نہ خناج نهاوت　انتقامس ساوت ما
شوب پوپس شوپ ڈکھہ ہاوت　داغ میسانی ہاوت ما

ابھی کتنی دیر غریبوں کو محتاج رکھکر انتقام کو سلایا جائیگا۔ سیلاب کو چاہے
کتنی دیر روکا جا سکتا ہے۔ کہیں میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے۔

خون مظلوم تیہ تعبیرہ ناوت　لرہ ظلمچھ پاوت ما
سرمایس بیہ دَ فناوت　داغ میسانی ہاوت ما

خون مظلوم ظلم کی تعمیر کو بہا کے لیجائیگا۔ اور سرمایہ کو دفنا کے آئیگا۔
کہیں میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے۔

لو د دراہ بیہ ہمی چھاوت　ذرہ پوشن ساوت ما
وُرزہ ناوت کن شپچھ باوت　داغ میسانی ہاوت ما

باد و بہار گل بدامن آئیگا۔ اور پھولوں کو سلائے رکھنا برداشت نہیں
کریگا۔ ان کو جگا دیگا۔ اور زندگی کا راز کان میں پھونک دیگا۔ کہیں
میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے

نال رنگہ رنگہ نو جامہ تراوت　کامہ دیوس ہاوت ما
نگہ کنڈن گل رنگ دے اوت　داغ میسانی ہاوت ما

رنگ برنگ کے نئے لباس پہنائیگا۔ اور حسن کے بھکیان کو دکھلا دیگا۔ اور تنکے
کانٹوں کو پھولوں کے رنگ میں رنگ دیگا۔ کہیں میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے

دل عارفن چھپوک بہ راوت　مِل بخنیچ تراوت ما
وارہ وطنچھ پو رپھولہ ناوت　داغ میسانی ہاوت ما

عارف کے زخمی دل کو مندمل کرکے اقبال کی روشنائی ڈالدیگا۔ اور وطن
کے باغ کو کھلا دیگا۔ کہیں میرے یہ زخم لوگوں کو تو نہیں دکھائے

(مترجمہ عارف)

مولانا محمد سعید مسعودی

سنہ ۱۹۳۱ء میں آزادی کی تمنا نے کشمیریوں کے دلوں میں کروٹ لی۔ معمولی سی کروٹ نہیں۔ نہایت ہنگامہ خیز کروٹ ان کے دل سے بے پناہ جذبے اٹھے۔ اور انہوں نے دماغ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور جس کشمیری نے مغل کو مفت میں اپنی آزادی سونپ دی تھی جس نے سر جھکا کر افغان سے "بدر سوختہ" اور سکھ سے "ھتو" کا خطاب حاصل کیا تھا۔ اور جو "ڈھیکا" کہلا کر بھی ڈوگرہ حکمرانوں کو "جے دیوا" کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ تمام پرانے رسم و راہ کو ختم کر کے آزادی کا وہ راستہ اختیار کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ جو ہر ایک خوددار انسان کا اولین شریفانہ فرض ہے مگر غاصب طاقتیں اسکی اہمیت گھٹانے کے لئے "بغاوت" کے نام سے پکارتی ہیں۔

دورِ جنت سے رونی چشم آدم کب تلک توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام

رہنما کی تلاش | اب کشمیر کے تمام انسانوں کے دماغ سے جوشِ آزادی اُبل پڑا تھا۔ لیکن لمبی غلامی نے جسم کے تمام اعضا کو شل کر رکھا تھا تین سو ساٹھ سال تک جہاں ہاتھ پاؤں مدافعت کا فرض انجام دینے سے بیکار رہے۔ اور آنکھوں سے حقیقت بینی اور دماغ سے خودشناسی کی قوتیں محو ہو چکی تھیں۔ وہاں زبان میں بھی نعرۂ حق بلند کرنے کی ہمت باقی نہ تھی۔ اور اب جبکہ دل و دماغ کے نئے جذبوں نے بولنے پر مجبور کیا۔ تو زبانیں جانتی نہ تھیں۔ کہ ادائے مطلب کا کیا ڈھنگ ہوتا ہے۔ دل و دماغ میں سب کچھ ہونے کے باوجود اگر زبان دل کی صحیح ترجمانی نہ کرے۔ تو کامیابی ناممکن ہے گویا اب کشمیر والوں کی سب سے بڑی ضرورت ایک ہی تھی۔ اور وہ یہ کہ انہیں جہاں محسوس کرنے والا دل و دماغ ہاتھ آگیا ہے۔ وہاں بولنے والی زبان بھی مل جائے۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ اور اسکو طے کئے بغیر نئے اور پرانے کشمیر کے درمیان حدِ فاصل قائم نہیں ہو سکتی تھی۔

شیخ عبداللہ کا ظہور | قدرت جب زمین کی نئی زندگی کے لئے زمستان کو بہار میں تبدیل کرتی ہے۔ تو اسکی مہربانی سے کلیوں کو پھول

بنانے کے لئے مادۂ نسیم بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ جاگے ہوئے کشمیریوں کو ترجمان، قائد اور رہنما سے محروم رکھنا اب تو قانون قدرت کے خلاف تھا۔ اس کا قانون یہی ہے۔ کہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لئے شیر (دودھ) کا چشمہ مہیا کرے۔ جب قدرت نے انقلاب کی قوتیں پیدا کر دیں۔ تو تحریک کشمیر کے جہاز کو طوفان نوح سے بچا کر لیجانے والا ناخدا فراہم کرنا بھی قدرت کے قدیمی و ازلی اصول کا پہلا تقاضا تھا۔ اور اس مقصد کے لئے قدرت کے پوشیدہ ہاتھوں نے جس شخص کی تربیت کر رکھی تھی۔ ٹھیک وقت پر اس کو سامنے لاکھڑا کیا۔ کشمیر کے عوام جو اپنی تازہ پیدا شدہ آرزؤں کو پورا کرنے کی کوئی سبیل نہ دیکھتے تھے۔ ان کو صدیوں کی طویل مظلومانہ غلامی نے صرف مایوسیوں کا سبق دیا تھا۔ اسلئے مستقبل میں کسی امید کی روشنی دیکھ لینا ان کی تاریکی زدہ آنکھوں کی دسترس سے باہر تھا۔ مگر انہیں نا امیدی کے تاریک غار سے نجات دلا کر تمناؤں اور آرزؤں کے گلستان میں آباد کرنے کے لئے ناگاہ ایک نوجوان لیڈر مل گیا۔ جس کے وجود میں انہیں اپنی ہر ایک خواہش مجسم ہو کر نظر آئی۔ اور یہ نوجوان شیخ محمد عبداللہ تھا۔

رہنمایانہ اوصاف کا مجسمہ کشمیر کے عوام کو حریت کے راستہ پر گامزن کرنے اور غلامی سے نجات دلانے کے لئے جن اوصاف کی ضرورت تھی شیخ محمد عبداللہ کے وجود میں قدرت نے ان سب کو اکٹھا کیا تھا۔

(۱) جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کی وجہ سے وہ قوم کو نئے تقاضوں کے مطابق منظم کرنے اور کشمیر کی تحریک کو ہندوستان اور دیگر ممالک کی تحریک ہائے آزادی کے دوش بدوش چلانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

(۲) مضبوط اور محکم جسم کا مالک ہونے کی وجہ سے وہ ان سختیوں کا کامیاب مقابلہ کر سکتا تھا۔ جو فرعونی طاقتوں کے خلاف آواز بلند کرنے کا اولین ثمرہ ہوتی ہیں۔

(۳) اسکی روشن دماغی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی کفیل تھی۔

(۴) اسکا جرات ہمت اور بے پناہ عزم سے بھرا ہوا دل مخالف طاقتوں کو لرزہ براندام کرنے اور کشمیر کے مسلے اور کچلے ہوئے عوام کو بہادری اور بے خوفی کے نمونے دکھا کر ان میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے کا معجزنما ذریعہ تھا۔

(۵) اسلام کے ساتھ اس کا روحانی لگاؤ اور بنی نوع انسان سے محبت اور اپنے وطن کی ترقی و خوشحالی کی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تڑپ نے اس کو حریت و آزادی کا منادو نقیب بنادیا تھا۔ اور یہ سب عناصر اس کے وجود میں کچھ اس طرح جمع ہو گئے تھے۔ کہ وہ ایک کامیاب ترین دائمی انقلاب بن گیا۔ اور اس کی مقناطیسی شخصیت نے کشمیر کی تحریک کو پر خلوص، طوفانی اور ناقابل تسخیر بنادیا۔ اور سب سے بڑھ کر قدرت نے اس کو ایک ایسی فصیح زبان اور بے پناہ قوت عطا کر دی تھی۔ کہ جب وہ ہزارہا انسانوں کے مجمع سے خطاب کرتا۔ تو اس کا ہر لفظ سننے والوں کے دل پر نقش ہو جاتا۔ اور وہ قلب کی گہرائیوں سے محسوس کرتے کہ جو کچھ عبداللہ کہہ رہا ہے۔ وہی سو فیصدی ہمارا احساس، جذبہ اور تمنا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا　　میں نے سمجھا یہ کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۶) یگانگی وحدت | لیڈر اور قوم کے درمیان جو نفسیاتی وحدت، تحریک کو کامیابی کے درجہ تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ شیخ محمد عبداللہ اس کا بہترین نمونہ ثابت ہوئے۔ ان کے وجود سے کشمیر کو حق گو اور بے باک انقلاب پسند قائد، قومی اصلاح و تعمیر کا عاشق، رفتار زمانہ کی نبض پہچاننے والا مدبر اور سیاستدان، بڑی سے بڑی طاقت سے بہادرانہ ٹکر لینے والا جرنیل اور ایثار و قربانی سے نہ تھکنے والا سپاہی سب کچھ مل گیا ہے۔

لیس من اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت الٰہی کے لئے یہ امر کوئی مشکل نہیں۔ کہ وہ ایک انسان کو مجموعۂ خوبی بنادے) غرض یہ کہ قدرت نے شیخ محمد عبداللہ کے وجود میں رہنمائی کے ان تمام اوصاف کو جمع کر دیا۔ جن کی کشمیر کے مخصوص حالات میں تحریک آزادی کے ہموار نشو و نما اور کامیابی کے لئے ضرورت تھی۔ شیخ صاحب کے یہ رہنمایانہ اوصاف موزون اور متوازن ہونے کے علاوہ دائمی بھی تھے۔ چنانچہ پچھلے اٹھارہ سال کے نشیب و فراز جو تحریک کشمیر نے دیکھے وہ اس امر کا ثبوت ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے رہنمایانہ فرائض انجام دینے کے موقعہ پر اپنے قومی ماحول اور وقت کے تقاضوں اور دنیا کے سیاسی حالات کے اتار چڑھاؤ کو ایک لمحہ کے لئے بھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔

صحیح قیادت کے ثمرات | انہی رہنمایانہ خصوصیات نے شیخ محمد عبداللہ کو شیر کشمیر اور قائد اعظم کے خطابات کا صحیح مستحق ٹھہرایا۔ اور ان ہی

خصوصیات کا ادنیٰ کا سا کرشمہ ہے۔ کہ جہاں ۱۹۳۱ء میں کوئی مضبوط سے مضبوط دل گردے کا مالک کشمیری اتنی بھی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ کہ شیر مسجد میں جا کر نماز پڑھ لے یا اس مطالبہ کو ہی زبان پر لائے۔ وہاں ۱۹۴۶ء میں ہر کمزور و ناتواں مرد و زن، اور بوڑھے اور بچے میں بھی یہ جرأت و ہمت پیدا ہوچکی تھی کہ وہ تیغ بکف ہو کر لاٹھیوں، سنگینوں اور گولیوں کے سامنے سینہ تان کر مہاراجہ سر ہری سنگھ سے مخاطب ہو کر کہتا تھا "ختم کرو اپنی مطلق العنانی، پھاڑ کر پھینک دو امرتسر کا صد سالہ فرسودہ بیعنامہ جس کو شخصی اقتدار و اختیار کا منبع سمجھتے ہو۔ اور تسلیم کرو کہ اختیار و اقتدار کے حقیقی مالک ریاست کے تمام محنت کش انسان ہیں"۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۹ء کے درمیان جو تفاوت ہر شخص کو محسوس ہو رہی ہے۔ یہ ایک ہی دن کے دفعتاً و اتفاقاً واقع ہونے والے کسی حادثے کا نتیجہ نہیں۔ ان دو مرحلوں کے درمیان سینکڑوں مرحلے ہیں۔ اور جب تک ایک قابل ترین قائد قوم کو ہر مرحلے اور قدم پر ٹھیک راستہ بتانے کیلئے موجود نہ ہو۔ قومیں ایسی خوبی سے ان مشکل راستوں کو طے نہیں کرسکتیں۔ شیر کشمیر کی رہنمائی ہمیشہ کچھ اس انداز سے رہی ہے کہ ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے ۔۔۔ زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں

اور تب سے اہل کشمیر کو تحریک کی ہر جدید منزل پر یہی تلقین فرمائی۔ کہ ؎

الجھ کر اسی روز و شب میں نہ رہ جا ۔۔۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اسی سائنٹفک رہنمائی کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ پندرہ برس پہلے جو لوگ غلامی پر صبر و شکر کئے بیٹھے تھے "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ لگا کر اپنے عمل سے بتاتے تھے۔ ؎

نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری ۔۔۔ وفور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا۔

اور اس کے بعد جس کی قیادت میں لاکھوں کشمیری عوام نے ڈٹ کر ان رجعت پسندوں کا مقابلہ کیا۔ جو کہ اُن کا بنیادی حق خود ارادیت غصب کر کے انہیں پر ورشمیر غلام بنانا چاہتے تھے۔ اور وہی مرد مجاہد آج ملک کے لاکھوں عوام کے سامنے پھر کہتا ہے۔ کہ ہم آج وہیں کھڑے ہیں جہاں جیل سے باہر آنے پر تھے۔ اور ہمارے سامنے سب سے اہم سوال یہ نہیں۔ کہ کس نو آبادی کے ساتھ ہم اپنا ناطہ جوڑتے ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کو مطلق العنانیت، جاگیرداری اور اس قسم کی دوسری لعنتوں سے نجات دلائی جائے۔ +

کشمیر کی اٹھارہ سالہ جنگ آزادی پر ایک نظر

از صدر الدین مجاہد
ایڈیٹر "خالد" کشمیر

تین سو سال کی غلامی اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف کشمیر کے چالیس لاکھ باشندوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت سنہ ۳۱ء میں قائد کشمیر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی رہبری میں علم بغاوت بلند کیا۔ سنہ ۳۱ء سے قبل جموں اور کشمیر میں غیر ذمہ دار نظام حکومت کی بدعنوانیوں سے لوگ اسقدر تنگ آچکے تھے کہ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ غریب عوام سے کار بیگار لیا جاتا تھا۔ جاگیردار اور چکدار غریب کسانوں کا خون چوستے تھے۔ حکومت کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ افسر رشوت وصول کرنا اپنے فرائض میں شامل سمجھتا تھا۔ کوئی شخص ظلم و تشدد اور اس اندھیر گردی کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ پولیس کا ڈنڈا ہر شخص کے سر پر پڑتا تھا۔ ایک ادنیٰ چوکیدار بھی اپنے آپ کو سب سے بڑا حاکم سمجھتا تھا۔ اسی زمانہ میں کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کی مظلومیت رنگ لائی۔ اور خداوند کریم نے لاکھوں مظلوموں کی حالت پر رحم کھا کر کشمیر میں ایک فرشتہ خصلت نڈر بہادر اور دولت ایمان سے مالا مال نوجوان لیڈر شیخ محمد عبداللہ شیر کشمیر کی شکل میں پیدا کیا۔ شیخ صاحب نے سنہ ۱۹۳۱ء میں پہلی ہی تقریر میں یہاں کے عوام کو اپنے حقوق کا احساس دلایا۔ شیر کشمیر کی گرج نے خفتہ اور خواب غفلت میں پڑے ہوئے عوام کو جگا دیا۔ اور عوام نے اپنے اس محبوب لیڈر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکر یہ حلف لیا۔ کہ جب تک ہم اپنے وطن کو غیر ذمہ دار حکومت کے پنجہ سے آزاد نہ کریں گے۔ اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اور اسی دن سے تحریک کشمیر کی ابتدا ہوئی۔ یوں تو پہلے یہ تحریک آٹھ سال تک مسلم کانفرنس کے نام سے جاری تھی۔ لیکن اُس وقت بھی اس تحریک کا مقصد یہاں کے ہندو مسلمانوں اور سکھوں کو آزادی دلانا اور انہیں خوشحال بنانا تھا۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں مسلم کانفرنس کا نام نیشنل کانفرنس میں بدل دیا گیا۔ اور اُس وقت سے مسلمانوں کے دوش بدوش ریاست کے ہندو اور سکھوں نے

جنگ آزادی میں برابر کا حصہ لیا۔ اور ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ مسلسل ۱۸ سال تک کشمیر کی تحریک آزادی مختلف مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھتی گئی۔ اگر غیر ذمہ دار حکومت اور وطن دشمنوں اور رجعت پسند عناصر نے ناپاک گٹھ جوڑ کر کے تحریک آزادی کے کاروان کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں اس ناپاک مقصد میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کے مقابلہ میں تحریک آزادی کا کاروان شیر کشمیر کی قیادت میں طوفانی رفتار کے ساتھ آگے کی طرف بڑھتا گیا۔ اندرونی مخالفوں نے جب دیکھ لیا۔ کہ انہیں کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ تو انہوں نے مشہور بیرونی فرقہ پرست جماعت مسلم لیگ کا سہارا لیا۔ اور اس جماعت کی امداد حاصل کی۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ نے تحریک کشمیر کی مخالفت کر کے مسلمانان ریاست کو تحریک کے خلاف بھڑکانے کی کافی کوشش کی۔ لیگی اخبارات نے اس سلسلہ میں صفحات کے صفحات سیاہ کئے۔ لیکن ان کی یہ فتنہ پردازی کبھی کامیاب نہ ہوئی۔ چونکہ کشمیر کے ترقی پسند عوام نے یہ تین نعرے دئے۔ ایک لیڈر شیر کشمیر۔ ایک تنظیم نیشنل کانفرنس اور ایک نصب العین نیا کشمیر۔ ان نعروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام نے آگے کی طرف قدم بڑھایا۔

یہ بات ہر فرد بشر پر واضح ہے کہ آج کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کو شیر کشمیر کی رہبری نے ہی کامیابی کی آخری منزل کے قریب پہنچایا ہے۔ نیشنل کانفرنس کی تنظیم نے عوام کو اتحاد اور اتفاق کا وہ سبق دیا۔ جس پر دنیا کو رشک آتا ہے۔ نیا کشمیر وہ منصوبہ ہے۔ جس میں کشمیر کے مظلوم عوام کے تمام دکھوں کا علاج ہے۔ اس لئے عوام نے نیا کشمیر کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جنگ کو برابر جاری رکھا۔ آخر ۱۸ سال کی جدوجہد کے بعد کشمیری عوام کی لڑائی نئے دور میں داخل ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے حق آزادی کے لئے عظیم لڑائی لڑی۔ تحریک آزادی کی دیرینہ مخالف جماعت مسلم لیگ جو آج پاکستان میں بدل گئی ہے نے کشمیر پر حملہ کر کے کشمیریوں کی آزادی چھین کر انہیں پاکستان کا دائمی غلام بنانے کیلئے کشمیر پر مختلف راستوں سے حملہ کر کے لوٹ مار قتل و غارت آتش زنی اور عورتوں کی عصمت دری کا بازار گرم کیا۔ معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور بیماروں کو پاکستانی حملہ آوروں نے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس حملہ کا مقصد صرف کشمیر پر پاکستانی جاگیرداروں اور نوابوں کا قبضہ کرانے کے بغیر کچھ نہ تھا۔ لیکن کشمیر کے عوام نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ اب کشمیر کے عوام کسی کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ چاہئے یہ ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی۔ غلامی

ہر حالت میں غلامی ہے۔ اس اصول کے پیش نظر کشمیر کے نہتے عوام نے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ حملہ آور مسلح تھے۔ اور بجبری کی حالت میں دوڑتے ہوئے سرینگر سے صرف دو میل دور تک طوفان بدتمیزی مچاتے ہوئے پہنچ گئے۔ لیکن اس موقع پر شیر کشمیر اور نیشنل کانفرنس نے کشمیریوں کی وہ رہبری کی۔ جس نے تمام ملک کو اس خطرناک آگ سے بچایا۔ جو آگ یہاں پاکستان لگانا چاہتا تھا۔ اس نازک موقع پر ہندوستان نے اپنی بہادر فوجیں کشمیر بھیجکر کشمیریوں کی عزت آبرو اور آزادی کو پاکستانی حملہ آوروں کے پنجہ سے آزاد کیا۔ اور ضروریات زندگی مہیا کر کے عوام کو موت کے منہ سے بچایا۔ ایک طرف پاکستان کشمیر کی تباہی پر تلا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف مہاراجہ فسادات کروا کر سازش کر رہا تھا۔ اس نازک جنگی دور میں جب قائد اعظم شیخ محمد عبداللہ شیر کشمیر اور آپ کے ساتھیوں نے جب وزارت کا قلمدان سنبھالا۔ اسی وقت سے انہوں نے نیا کشمیر کو عملی شکل دینے کی طرف قدم آگے بڑھانا شروع کیا۔ چنانچہ عوامی حکومت کے وزراء نے عوام کی بہبودی اور بھلائی کے لئے جو اقدامات کئے۔ ان میں چند ایک باتیں یہ ہیں :-

(١) جاگیرداری ختم کی۔ اور زمینداری ختم کرنے کے لئے پہلا قدم کاشتکار کو گھاس چارہ وغیرہ کے علاوہ فصل کا ³⁄₄ حصے کا مالک قرار دے کر اٹھایا۔

(٢) پیداوار کو بڑھانے کیلئے کسانوں کو مفت رقبہ جات اور بیج دیا گیا۔

(٣) مصیبت زدگان کا مالیہ معاف کرنے کے علاوہ انہیں امداد دی گئی۔

(٤) یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(٥) سوپور میں ایک نئی تحصیل قائم کی گئی۔

(٦) قانون اسلحہ منسوخ کیا گیا۔

(٧) فوج میں بھرتی ہونے کیلئے ہر فرقہ کیلئے دروازے کھول دئے گئے۔

(٨) قومی فوج قائم کی گئی۔

(۹) کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے نہروں کی سکیمیں منظور کی گئیں۔

(۱۰) جمہوری طرز پر ذیلداروں اور نمبرداروں کے انتخابات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

(۱۱) غیر موافق موسمی حالات کی وجہ سے فصل تباہ اور حملہ آوروں کے ذریعہ فصل کو نقصان پہنچنے کے باوجود شہر سرینگر میں ساڑھے چار ترک فی نفر کے حساب سے رسد کا انتظام کیا گیا۔

(۱۲) دیہات اور قصبات میں ناگاروں کے لئے غلہ کی رسد کا انتظام کیا گیا۔

(۱۳) کشمیر سلک فیکٹری کی ایک بارک کا انتظام مزدوروں کے سپرد کیا گیا۔ اور ان کو بونس دیا گیا۔

(۱۴) سلک فیکٹری کے مزدوروں اور کاریگروں کی اجرتوں میں اضافہ کیا گیا۔

(۱۵) کافی مشکلات کے باوجود عوام کو ضروریات زندگی مہیا کرکے چور بازاری کا خاتمہ کیا گیا۔

(۱۶) پولیس کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔

(۱۷) رسل و رسائل کو قومی ملک قرار دینے کی طرف قدم اٹھایا گیا۔

(۱۸) تجارت کو ترقی دینے کیلئے سرینگر کے علاوہ ہندوستان کے مختلف مراکز پر تجارتی منڈیاں قائم کی گئیں۔

(۱۹) غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کیلئے ٹریکٹروں کا انتظام کیا گیا۔

(۲۰) جموں اور سرینگر میں اعلےٰ پایہ پر دو ریڈیو سٹیشن قایم کئے گئے۔

(۲۱) عوام تک صحیح حالات پہنچانے کے لئے ریاست بھر میں سینکڑوں ریڈیو سٹ لگائے گئے۔

(۲۲) مختلف ضروری اور اہم سڑکیں تعمیر کی گئیں۔

(۲۳) مادری زبان کو ضروری قرار دیا گیا۔

(۲۴) کواپریٹو بنک کے قرضہ کے نیچے جو غریب دبے ہوئے تھے۔ اُن کا وہ قرضہ معاف کیا گیا۔

(۲۵) سود خواروں کے ظلم سے بچانے کیلئے قرضہ جات کی ادائیگی میں التوا کی گئی۔

(۲۶) تحریک "کشمیر چھوڑ دو" میں حصہ لینے والوں سے پُرانی غیر ذمہ دار حکومت نے جو جُرمانہ اور تعزیری ٹیکس وصول کیا تھا۔ وُہ اُنہیں واپس دیا گیا۔ اور دیا جا رہا ہے۔

(۲۷) زراعت کو ترقی دینے کیلئے پٹواریوں اور گرداوروں کیلئے ٹریننگ سکول قائم کیا گیا۔

(۲۸) عوام تک ضروریات زندگی مقررہ نرخوں پر پہنچانے کیلئے کواپریٹو سٹور قائم کیے گئے۔

(۲۹) پاکستانی لیٹروں کے حملہ سے جو لوگ بے خانماں ہو گئے تھے۔ انہیں پھر سے بسایا گیا۔ اور بسایا جا رہا ہے۔

(۳۰) ہزاروں پناہ گزینوں کے لئے جائے رہائش۔ خورد و نوش۔ کپڑے۔ تعلیم۔ ملازمت وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ اور کیا جا رہا ہے۔

اُس کے علاوہ سینکڑوں ایسی باتیں ہیں۔ جنکو ہماری عوامی حکومت نے عملی شکل دی ہے۔ اور جو باتیں جموں و کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کی بہبودی اور خوشحالی کا باعث بن رہی ہیں۔

یہ باتیں ہماری عوامی حکومت تب ہی کر سکی۔ جب اُس کے سامنے نیشنل کانفرنس جیسی فولادی تنظیم اور نیا کشمیر جیسا مقدس نصب العین ہے۔ ابھی ہم نے مطلق العنانی سے آزاد ہونا ہے۔ اور "نیا کشمیر" کی تکمیل کرنا ہے۔ اس کے لئے عوامی تعاون اور جدّ و جہد کی ضرورت ہے۔

اب ہر طرف سے کشمیر کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ قائد اعظم شیخ محمد عبد اللہ شیر کشمیر کی قیادت کا نتیجہ ہے۔ اور نیشنل کانفرنس کی بلند پایہ تنظیم کا کرشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر شخص فخر سے اپنا سر بلند کر کے پکارتا ہے۔ کہ

زندہ باد شیر کشمیر۔ نیا کشمیر پائندہ باد

مہجور کاشمیری

نوٗکشیر

تھاوِ توکن ہا مِنہ لالو
لولُکُھ ونئے افسانا

[illegible]ماران شہرن گاران گامن صبحن نہ شامن بارِنی مقامن
بیوٗرُس زن مستانا
تھاوِ توکن ہا منہ لالو لولُکُھ ونئے افسانا

[illegible]یوس پیرن جوگِ مستانَن [illegible] فقیرن تنخیم دانن !!
نزوویم نہ کانہہ استانا
تھاوِ توکن ہا منہ لالو لولُکُھ ونئے افسانا

نیا کشمیر

اے میرے دوست !! تو کان کھول کے ذرا سن لے۔
میں تجھے ایک محبت کا افسانہ سناؤں گا۔

میں ایک دیوانے کی طرح شہر و دیہات۔ تمام مقامات میں
صبح و شام ڈھونڈتا پھرتا رہا۔ اے میرے دوست

میں پیروں۔ جوگیوں۔ رندوں۔ فقیروں۔ جوتشیوں۔ [illegible]
کے پیچھے پیچھے پھرتا رہا۔ میرے لئے کوئی زیارت گاہ نہیں [illegible]
اے میرے دوست ! تو کان کھول کے ذرا سن لے . . . .

ٹہاران اُسس بگہ ہَکے وداد   باغ مبون کرگرشہ ظلمہ نشہ آزاد
بوزہ ہا تہشرھ زنہ وانا
تھاوتوکن ہامنہ لالو لوکُ ونئے افسانا

سوراوسن جابہ جابہ اوزرکہ کارگ   کنہ آوکونٹ ونٹ ورہمارک
بگہ ہکُ نہ کانھ داستانا
تھاوتوکن ہامِنہ لالو لوکُ ونئے افسانا

دوہ گوآدا زونہ ترہؤ برتو   سارِی عالمس نغزک گاہ بیو
تارہ کو لوگ ذوکانا
تھاوتوکن ہامنہ لالو لوکُ ونئے افسانا

شمع براران اوس بروانس   مشغول کاراوس منزوریں
زُنہ بن ہند کاروانا
تھاوتوکن ہامنہ لالو لوکُ ونئے افسانا

میں مستقبل کے لئے آواز غیب کی تلاش میں تھا۔ کہ میرا
یہ باغ بادطوفان سے کب نجات پائیگا۔
اے میرے دوست . . . .

ہر جگہ حالات ماضی کا چرچہ تھا۔ کہ دنیا کہاں سے کہاں
پہنچی۔ داستان مستقبل کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔
اے میرے دوست . . . .

اسی حالت میں، دن گذر گیا۔ رات آئی۔ چاندنی سے
تمام کائنات منور ہوئی۔ تاروں نے اپنا بازار سجایا۔
اے میرے دوست . . . .

شمع پروانہ کے انتظار میں تھی۔ جگنوؤں کا کاروان
ویرانے میں محو خرام تھا۔ اے میرے دوست . . . .

تھرسِ اکسِ پیٹھیلرِہ پان نردُوم　　ساُوم تن نہ مَن بیدار تھوُوم
بُوزُم اکھ نوُدُئی ترا نا
تھا ونوکن ہامتہِ لالو لوکُ ونے افنا نا

صُحک داوادِن باغس کُن ونن　　پگہ ہچ خبر ہوزپیڈ سینی ہان
آدِی گہ ہیم کنہ وانا !!
تھا ونوکن ہامنہِ لالو لوکُ ونئے افنا نا

شبناہ جانِ نسہ روزن شبناہ　　شبنہ ہن اندر بسہِ نو دُنیا
گلشن بنہِ ویرانا
تھا ونوکن ہامنہِ لالو لوکُ ونئے افنا نا

بلُبلس حاصِل بنہِ تاجداری　　دارِل روزنس تابع ساری
شاہ باز آسیس ڈِیڈوانا
تھا ونوکن ہامنہِ لالو لوکُ ونئے افنا نا

ایک بلند ٹیلے پر لیٹا۔ آنکھیں بند کیں۔ دل بیدار تھا
ایک بتاہی ترانہ سنتا رہا۔ اے میرے دوست ......

بادِ صبا باغ سے ہم کلام تھی۔ کہ مستقبل سے خبردار
ہو جا۔ ابھی ابھی میرے کان میں آواز آئی ہے۔
اے میرے دوست ......

تیرے ویران مقامات اب ویران نہیں رہینگے۔ تیرے
ویرانوں میں نئی دنیا آباد ہو گی۔ تیرے ویرانے باغ
میں تبدیل ہو گئے۔ اے میرے دوست ......

باغ میں بلبل کی حکومت ہو گی۔ "دارلو" (شکاری پرندہ)
اس کے زیرِ فرمان ہو گا۔ شاہباز اُس کا دربان ہو گا
اے میرے دوست ......

گُلْ مولہ ناون پانُے پانس   بُلبُل فِبین ہین منہِ پنسِ نرانس

جلدی آسہِ تُتھ زمانا

نفا و نوکن ہا منہ لالو لوکُ ونئے افسانا

کنڈِ کرن باغچ چوکیداری   نیزہ ہتھ روزن اِناد ہِ یاری

پوشس نُتھ نہ ژٹہِ نادانا

نفا و نوکن ہا منہ لالو لوکُ ونئے افسانا

کانٹھ واتہ ناوِ نہ زُو زاتِ آزار   مارِ نہ مازس بنہِ پرہیزگار

ژھارِ نہ کھیہ ہیل دانا

نفا و نوکن ہا منہِ لالو لوکُ ونئے افسانا

ازخلِس پیوند بنہِ دبو دارک   دیرہ ہیچہ آئے دِنُ مَدن دارک

سارِسی بنہِ یکسانا

نفا و نوکن ہا منہِ لالو لوکُ ونئے افسانا

پھول اپنی قیمت خود بنا دیگا۔ بلبل اپنے ترانے
کی اُجرت وصول کریگا۔ جلدی ایسا زمانہ آنے والا ہے

اے میرے دوست . . . .

کانٹا باغ کی چوکیداری کریگا۔ نیزہ لیکر کھڑا رہیگا
کہ کوئی نامحرم پھول کاٹ نہ لیجائے۔
اے میرے دوست . . . .

چیل کسی جاندار کو تکلیف نہ دیگی۔ اُسے گوشت خوری
چھوڑکر پرہیزگار بننا ہوگا۔ چن چن کر دانہ کھائیگی۔

اے میرے دوست . . . .

"ازغل" (ایک زہریلا درخت) [illegible] ار کا پیوند لگایا جائیگا
بید کی لکڑی کو چوب صندل [illegible] مل جائیگا۔ یکسانیت
کا عالم ہوگا۔   اے میرے دوست . . . .

دقتہ اکہ لعل ژہ ون چانڑ بالن   سون بنہ چانین سنگر مالن
مخنتؤ وسہ بارانا
نھا دنوکن ہامنہ لالو لوکٔ ونئے افسانا

ڈلہ منزہ ڈو نگل کھالن جوہر   دولکہ سودرہ نشہ مختہ کڑھ ظاہر
تھار نہ بیہ اک جہانا
نھا دنوکن ہامنہ لالو لوکٔ ونئے افسانا

"تارسر مارسر" بنہ امرت سر   توسہ میدان بنہ سورت بندر
کونگہ وٹن لگہ کارخانا
نھا دنوکن ہامنہ لالو لوکٔ ونئے افسانا

بدہ راز دان ہمان بنہ عالیشان   کرہ نہ تن نار فان پوش نہ طوفان
ینوتھ بزہ کاریگر چھانا
نھا دنوکن ہامنہ لالو لوکٔ ونئے افسانا

ایک وقت آنیوالا ہے۔ کہ تیرے پہاڑوں سے لعل نکلینگے
تیرے اونچے پہاڑ سونا دینگے۔ بادل سے موتی
برسینگے۔ اے میرے دوست ۔۔۔۔۔۔۔

جھیل سے غواص جواہر نکالینگے۔ جھیل وُلر کی گہرائی
سے موتی نکلینگے۔ ایک دنیا اُن کی تلاش میں آئیگی
اے میرے دوست ۔۔۔۔۔۔۔

"تارسر مارسر" امرت سر بن جائیگا۔ "توسہ میدان" سورت بندر
بن جائیگا۔ کونگ وٹن میں بہت بڑا کارخانہ قائم ہوگا
اے میرے دوست ۔۔۔۔۔۔۔

ایک ایسا کاریگر (بڑھیا) پیدا ہوگا۔ جوکہ ایسی راجدھانی
تعمیر کریگا۔ جسے کوئی طوفان آب و آتش فنا نہ کرسکے گا
اے میرے دوست ۔۔۔۔۔۔۔

لوک بُوڈ نہ کمزور بیہ زور اور   دوہ نہ کانہہ گرفن ساری برابر
آدمی بنہ اِنسانا
تھاو نوکن تامنہ لالو لولکُ ونیے افسانا

ہتھیار کھولن مذہب دارن   بنہ بور بنہ تمِ اکھ اکس مارن
مذہب روزِہ اک نشانا
تھاو نوکن تامنہ لالو لولکُ ونیے افسانا

کِمہ تانِ خیالہ چُھکھ مندرک پُجارِی   کر زمینداری فصل وَ وارِی
ینہ چُھی جان بُتن خانا
تھاو نوکن تامنہ لالو لولکُ ونیے افسانا

مہجور وچھنکُ یود چُھی تاوس   کمنہ بوزتمند نچنہ چُھی خیال ژن
کارِ وُکن چُھ دیوانا
تھاو نوکن تامنہ لالو لولکُ ونیے افسانا

چھوٹا اور بڑا کمزور اور طاقتور کی کوئی تمیز نہ رہیگی سب برابر ہونگے۔ آدمی حقیقی طور پر انسان بن جائیگا۔
اے میرے دوست . . . .

مذاہب کے پرستاروں سے ہتھیار چھین لئے جائینگے۔ تاکہ وہ آئندہ کسی کی جان نہ لیں۔ مذہب صرف ایک نشان تک محدود رہیگا۔ اے میرے دوست . . . .

اپنے خیال میں تو مندر کا پجاری ہے۔ خود کاشتکار بن کر تمام فصلیں کاشت کر۔ یہہ سب سے اچھا بت خانہ ہے
اے میرے دوست . . . .

تو مہجور کو اپنی آنکھوں سے کیا دیکھنا چاہتا ہے۔ اسکا کلام سن لے۔ اس کا خیال سچنہ ہے۔ افعال کے لحاظ سے وہ دیوانہ ہے۔ اے میرے دوست . . . .

(یہا کشمیر کا ایک باب   مصنف نے خود اردو ترجمہ کیا)

جیالال ناظر

ہماری میراث {شعر و شاعری}

کشمیر ہمارا وطن ہے۔ اور شاعری ہماری میراث۔ کشمیر کی وادی جنت کی تضمین ہے۔ ہمارے کوہسار ترجیع بند طور بہترین دریا بحر طویل۔ اور چشمے بحر مثمن۔ بہار یہاں کی ترکیب بند فطرت۔ اور خزاں قطعہ بند قدرت۔ گرمی دیکھو تو ایک قصیدہ مرتعاش سردی بس ایک مرثیۂ دلخراش۔ باغ یہاں کی برجستہ رباعی۔ فضا ہماری بیت الغزل۔ صبح یہاں کی مطلع آس۔ شام ہماری مقطع یاس ہم اپنی جو ہیں نرگین۔ صبا کو دیکھو تو طرب آگین۔ کلیاں سب کی سب نوخیز۔ اور اُن پر اوس گوہر بیز۔ دل میں جو سوز ہے۔ تو لہن میں ساز۔ ناری یہاں کی اک طرحی مصرعہ پُرشش یہاں کا اک موزون شعر۔ ہماری شاعری کا کوئی ایک ہی ساز نہیں۔ بلکہ اُسکا مکمل آرکسٹرا ہے۔ مشہور ساز تو یہ ہیں۔ سنسکرت، فارسی، اردو، ڈوگری، کشمیری، بودھی، شنا وغیرہ۔ ہم سنسکرت میں شعر و شاعری کے موجد ہیں۔ سنسکرت کا رو یہ ہیں تو ہم ادب آموز جہاں ٹھہرے۔ ہم فطرتاً جذباتی ہیں۔ جذبہ شاعری کی جان ہے۔ وشوا ناتھ مصنف ساہتیہ درپن فرماتے ہیں {واکیم رسنہ اکم کاویم} جذبات شاعری کی روح ہیں۔ سنسکرت شاعری کی بنیاد آٹھ رسوں یعنی جذبات پر ہے۔ سنسکرت کے برگزیدہ سخندان ممٹ آچاریہ کشمیری نے ایک اور جذبہ ایزاد کیا ہے۔ وہ اسے شانت رس کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ یعنی وہ وجدانی کیفیت جس سے دل کو سکون اور قرار حاصل ہو۔ سنسکرت ادب میں جتنی مستند اور عالمانہ کتابیں شعر و شاعری سے متعلق لکھی گئی ہیں۔ وہ تقریباً سب کی سب کشمیریوں کی دماغی کاوشوں کی رہینِ منت ہیں۔ صرف دو تین کتابیں غیر کشمیریوں نے لکھنے کی جرأت کی ہے۔ سنسکرت شعر و شاعری دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک مذہبی۔ دوسری غیر مذہبی۔ ہماری مذہبی شاعری زیادہ تر شیوی عقیدے سے منسلک ہے۔ شیوی عقیدے کو کشمیر میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ یہ عقیدہ دراصل سانکھ اور

ویدانت کا ایک تنقی پورا و شیریں امتزاج ہے۔ سانکھ فلسفہ مادی فلسفہ ہے۔ ویدانت غیر مادی۔ شیوی ادب کے فن کاروں میں سری کنٹھ (آٹھویں
صدی) وسوگپت، کلٹ آچاریہ، سومانند، پردمن بٹ، اوتپل آچاریہ، مہادیو بٹ، سری کنٹھ بٹ، باسکر آچاریہ (گیارھویں صدی)، لکشمن آچاریہ،
اوتپل ویشنو، مہاکوی ابھنوگپت آچاریہ، رم کنٹ، کھیمراج، یوگ راج، جے ارتھ (بارھویں صدی) شیوا و پادھیائے (اٹھارویں صدی)
ان میں سے تو ہر ایک کوی اور آچاریہ نے کئی کتابیں شیوی ادب پر لکھی ہیں۔ ابھنوگپت آچاریہ کی تصنیفات ایک ۲۰ سے لائد جلدوں میں
ہماری گورمنٹ نے شائع کر دی ہیں۔ ابھی نہ معلوم کتنی اور جلدیں شائع ہونگی۔ مذکرہ صدادیوں کے کئی ایک ادبی شاہکار تلف ہو چکے
ہیں۔ کشمیر کے غیر مذہبی سنسکرت شاعروں میں کالیداس، ممٹ آچاریہ، کیٹ آچاریہ، موکل، آنند وردھن، رتناکر، بھان بٹ، جندرا چاریہ،
سنکھک، بھرتری منٹ، بلہن، شیو سوامی، جے آنت، جگدھر بٹ، صاحب کول، کھیمندر، آنند رازدان، مدت کلٹ آچاریہ، باسکر کنٹ،
پرکاش ورشہ، لسہ کاک آچاریہ (انیسویں صدی) بہت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے بلہن، کالیداس اور ممٹ آچاریہ بین الاقوامی شہرت
کے مالک ہیں۔ میکس مولر، شوپن ہار، گوئیٹے، ایمرسن، بوہلر، ولیم، جونز جیسے فلاسفروں اور علوم شرقیہ کے ماہرین نے انہیں اپنے عقیدت کے
پھول بھینٹ کئے ہیں۔ تقریباً ایک سو سال سے اس ریشی بھومی نے کوئی بلند پایہ شاعر سنسکرت زبان کا پیدا نہیں کیا۔ کئی ایک مہا پرشوں نے تو
کوشش کی مگر کامیاب نہ رہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم انہیں پرکاسک یعنی ناشر کی پدوی درجہ دے سکتے ہیں۔ آچاریہ کی نہیں۔ بقول ذوق۔
”نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا“ اغلب ہے کہ مہاتما لکشمن جو مستقبل قریب میں اس پدوی کو
پراپت کر سکے۔ چودھویں صدی میں اسلام کشمیر پہنچا۔ اسکے ساتھ فارسی نے بھی اپنا ڈیرہ آن جمایا۔ پندرھویں صدی کے وسط تک ہندوؤں نے اس
اس سے بے اعتنائی برتی۔ بھلا ہو سلطان زین العابدین کا جس نے اہل ہنود کو اس نعمت غیر مترقبہ کیطرف پریم سے اور پیار سے مائل کر دیا۔ وہ
کشمیری پنڈت جنہوں نے پہلے پہلے فارسی پڑھنی شروع کی۔ سپرو کہلائے۔ چنانچہ آج تک اُن کے نام لیوا اسی عرف سے مشہور ہیں۔
سپرو کشمیری زبان میں پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔ س تقدم کا لگ کر سپرو ہو گیا۔ مدتوں کے بعد دو بچھڑی بہنیں گلے ملیں۔ اپنی

بھولی بسری وارداتیں پھر سے تازہ کردیں۔ دل تو ان کے ایک ہوگئے۔ مگر دماغ جدا جدا رہے۔ تصوف الٰہیات۔ اور سلوک میں ہم آہنگ بنے۔ مگر اوصاف۔ قصیدہ اور غزل میں بیگانہ۔ شاعری میں ان تین شعبوں میں فارسی کا لہجہ اور رنگ خالص ایرانی رہا۔ فردوسی، انوری اور سعدی تو بہت سخت جان ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنی سروری اصناف سخن کو کشمیر میں بھی نہیں چھوڑا۔ البتہ تصوف الٰہیات اور سلوک کے میدان میں دونوں ایسے گل مل گئے۔ کہ پہچاننا دشوار ہوگیا۔ معرفت کی منزلیں دونوں کے ہاں سات رہیں۔ اور ایک دوسرے سے بالکل متشابہ

اوم بھو، اوم بوا، اوم سوا، اوم مہا، اوم جنا، اوم تپا، اوم ستم،

بالمقابل اس کے ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہوت، ہویت، ہوت الہوت کی منزلیں نمایاں اور معین ہوگئیں۔ دونوں نے ملکر عرفان کی وہ تانیں اڑائیں۔ کہ کائنات گونج اٹھی۔ ہندوں نے مسلمانوں سے تلاذہ کیا۔ مسلمانوں نے ہندوں سے فیض صحبت پایا۔ یہ سلسلہ اب تک برابر چلا آتا ہے۔ صوفیانہ شعر و شاعری میں حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ، شیخ المشائخ بابا داؤد خاکی، حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی کے اسماء گرامی مہر نیم روز کے طرح روشن ہیں۔ حضرت امیر کبیر کے چالیس قصیدے۔ روحانی تعلیمات اور صوفیانہ نکات کی جامع تفسیر ہیں۔ آپ نے ۱۰۵ تصانیف بطور یادگار چھوڑ دی ہیں۔ شعر و شاعری کی موزونیت کے اعتبار سے آپ کا کلام متاخرین کے لئے مشعل راہ ہے۔ بابا داؤد خاکی نے ورد المریدین اور اسکی شرح دستور السالکین ضروریات دینیہ منظوم قصیدہ قصیدۂ لامیہ۔ قصیدۂ جلالیہ جیسی ادبی چیزیں لکھکر سالکان راہ طریقت کی رہنمونی کی ہے۔ چند ایک شعر سنئے ؎

شکر للہ حال من ہر لحظہ نیکوتر شدہ ست شیخ شیخان شیخ حمزہ تا مرا رہبر شدہ ست

؎ شدم از غیرت و حیرت بہ رہت لالہ ہزار نیست با ہیچ کسم طاقت گفت و گوئے

خاکیا بیرشدی در طلب یار ہنوز از گلستان و صالش نشنیدی بوئے

شیخ یعقوب صرفی کو اگر جامع الکمالات صوری و معنوی کہیں تو بجا ہے۔ اگر آپ کا کلام بلاغت نظام شعراء فارسی کے کلام کے

پہلو بہ پہلو رکھا جائے۔ تو فرق و امتیاز ہرگز نظر نہ آئیگا۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ مثنوی مولانا روم باوجود اسکے کہ ہست قرآن درزبان پہلوی" کی زبان اتنی تو چدار نہیں جتنی کہ صرفی کی۔ آپ کے وامق و عذرا کا ایک شعر نعت کے رنگ میں کیا برجستہ ہے سہ

بحال ہیچو من گم کردہ راہے　　نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

مسلک الاخیار میں فرماتے ہیں سہ

علم نہ آنست کہ بر دل زند　　علم ہمانست کہ بر دل زند — علم کہ بر تن زند آن مار ہست　　علم کہ بر دل زند آن یار ہست

اپنے بھائی مہر محمد عاصی کو یوں نصیحت فرماتے ہیں سہ

در حقایق بدہر مشہورم　　بر زبان ما بعقل مذکورم — سعی کن سعی تا شوی کامل　　در علومیکہ شد مرا حاصل

لیجئے کشمیر کا بہترین ورثہ - مولانا محمد طاہر غنی آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ بقول اقبال سہ

بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر　　مرغ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

دنیائے ادب کو اب اعتراف ہے۔ کہ غنی کے ہمعصر شعرا میں نہ کوئی غنی کا ہمسر ہو سکا۔ نہ غنی کے بعد آجتک کوئی اس کے طرز خاص کی تقلید کر سکا۔ ان کا ایک ایک شعر مکمل واردات ہے۔ دعوے کے ساتھ دلیل ایسی کہ معنی آسان۔ ایران کا ملک الشعرا میرزا صائب اصفہانی ایران سے چلکر کشمیر آیا۔ لفظ "کرالہ پن" کے معنی دریافت کرنے کی خاطر غنی کے پاس حاضر ہوا۔ غنی نے کہا ہے نا۔

موی میان تو شدہ کرالہ پن　　کردہ جدا کاسہ سر را ز تن

صائب نے غنی کا ایک شعر سنا۔ اور بے اختیار بول اٹھا۔ کاش غنی اس شعر کے بدلے میرا سارا دیوان لے لیتا۔ شعر تھا سہ

حسن سبزی بخط سبز مرا کرد اسیر　　دام ہمرنگ زمین بود و گرفتار شدم

چند ایک شعر سنئے۔ اور داد دیجئے سہ

لختے بر دا زمن گذرد ہر کہ ز پیشم　　　من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم
سعی روزی بہ نمی دارد مرا ز جای خویش　　　آبرو چوں شمع میریزم ولی برپای خویش

آپ کے استاد شیخ محمد محسن فانی تھے۔ نمونہ کلام عرض ہے

پیوستہ سرد و گرم جہان در پے ہم ہست　　　شب ہر کہ بادہ خورد سحر آب مے خورد

کتنوں کا ذکر کیجئے۔ سرزمین کشمیر نے سینکڑوں ہی قادر الکلام شاعر پیدا کئے ہیں۔ ان میں اوجی کشمیری، مولانا ذہنی، فصیحی، محمد صالح ندیم، بدیعی، فہمی، محمد رفیع منشی، غلام رسول استغنا، محمد زمان نافع، میر حسین سنبھلی دوست، سعد الدین سعد، مختار شاہ مختار، امیر الدین امیر زیرک۔ خوشدل زیبا، حسن شائق، نسیم، آبرو کے اسمائے گرامی زبان زد خاص و عام ہیں۔ فارسی شاعری میں بہت سے کشمیری پنڈتوں نے بھی نام پیدا کیا ہے۔ اور نامور استادوں سے داد سخنوری حاصل کی ہے

(۱) جگوانداس حالی　　　(۲) تابہ رام ترکی

ز فیض بہاران شود خار سبز　　　نگردد ولے خار دیوار سبز

(۳) لچھی رام سائل سوپوری ؎

آنکہ در فانوس خلوت شمع سان پر جلوہ ہست　　　من چو پروانہ میان انجمن سے جو میش

(۴) دیوہ کا جرو حضوری (۵) سہج رام خادم (۶) راجہ کول عرض بیگی (۷) دیری آپ بلند پایہ کے شاعر ہیں ؎

غنچہ دیدم عصا گرفتہ ز شاخ　　　طفل یارب چگونہ پیر شدہ است
شعلۂ فکرت دیری چہ رسا افتادہ است　　　کہ رسید ست ز کشمیر بہ ایران آتش

(۸) گوبند رام کار زیرک۔ شیخ علی حزین کا ایک شعر ؎

سوزا و در کعبہ و بتخانہ ہر جا دیدہ ام   من نمیدانم کہ ہندو یا مسلمان است شمع

جواب از زیرک ؎   قشقہ دارد بر جبین زنار دارد در گلو   صاف ہندو مینماید کے مسلمان است شمع

(۸) کیلاش پنڈت درسامی (۹) واسکول ببل (۱۰) لچھی رام سرور   وطن سے نکل کر تلاش معاش میں لکھنو پہنچے چند دنوں کے بعد ہی ایک عالیشان مشاعرہ میں شرکت کی۔ ایک پیرہن زیب تن تھا۔ جو بہت میلا تھا۔ طرح تھی۔ ع

ہمسر گر بہ آن قد دلجو شود نشد

سرور نے غزل کا مطلع یہ پڑھا۔

مرشد تمام تا چو رخ او شود نشد   کاہید بازنا خم ابرو شود نشد

میرزا قتیل بھی اس مشاعرہ میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی غزل چاک کر ڈالی اور فرمایا۔ اس مطلع کے بعد غزل پڑھنا بیکار ہے کشمیر میں جب فارسی اور کشمیری زبانوں کا تصادم ہوا۔ تو مخلوط ہو کر ایک مرکب یا آمیختہ زبان پیدا ہو گئی۔ چند ایک شعر سنئے ؎

ٹنگ دیدم بدست آرمو   نے کشد از خاک سنگ بنلہ وٹ

حبیب اللہ نوشہری کے یہ اشعار کسقدر بلیغ واقع ہوئے ہیں ؎

بادہ چون تلقل سرایدبساز چون کینہ کین کند   سوز عشق اندر سرم چون ہانچہ گن بھی بھس کند

پوشہ ول رسونت حق دارد ولے من سوختم   زین کہ زاہد پنیرہ کانی ونش عبث زبہ زین کند

بغاوت

میرزا عارف

اُردو ترجمہ

ہوسس قراریہ نا — بے کَسَنہ یار بیہ نا
ہِتھ مہُرہ دیار بیہ نا — مِہتہ د لقراریہ نا
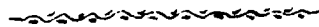
کاش میری ہوس قرار پذیر ہوتی۔ مجھ بے کس بیچاری کو کوئی دوست ملتا۔ کاش کوئی دوست دمن دولت کیلئے میرے قرار دِل (تسکین قلب) کا باعث ہوتا۔

چھس سرمہ سازہ مسَول — یا دارِہ یا برسس تَل
چھَم پرِزنس کنوی کل — پچھُم انتظاریہ نا

میں حسن کی دیوی آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے مانگ نکالے ہوئے کبھی کھڑکی سے اور کبھی دروازے سے جھانکتی ہوں۔ مجھے کسی نامعلوم مرد کیطرف دھیان ہے۔ میں اُسی کے انتظار میں بیقرار ہوں۔

مجبوریو کرس ہَن — شوقس۔ دِلس گیُم کَن
بڈ تھُر کلس مژھم نھَن — دِیہ دِیار یاریہ نا

مجھے مجبوریوں نے بے نقاب کر دیا۔ میرے شوق اور دل بکھرا گئے۔ (صرف ہوس رہ گئی) میرا پیٹ خالی ہے۔ لیکن بالوں میں مکھن لگا ہوا ہے (کشمیر میں عورتیں مکھن بالوں میں استعمال کرتی ہیں) یہ بناؤ سنگار میں نے اسلئے کیا ہے۔ کہ کوئی دوست آکے روپے دیجائے۔

بُسہ رِہ گمسُ مزورَس — سوی زَر دلس چھُچ تُھورَس
زلفس اندر غرورس — شِکمک چھو ناریہ نا

جو آگ مزدور کے سینہ میں شعلہ زن ہے۔ وہی تپش چور کے دل کو گرما رہی ہے۔ اور یہی پیٹ کی آگ میرے حسن و زلف کے غرور میں بھڑک رہی ہے۔

کنہ لعل ۔ دُرکتس منز   زُدِس مُشک وَتن منز
پراران ہوس مَنَس منز   سرمایہ دار بیبہ نا

جواہر پتھر ہیں ۔ موتی صدف ہیں ۔ نافہ جنگل کے آہو ہیں ۔ اور ہوس میرے دل میں اسی تقاضا ہیں ہے ۔ کہ کوئی سرمایہ دار آجائے ۔

کیا زانہ یَس چھو سُورُوئی   یُس حاجتن نہ موُرُوی
گنہ ہس لدان بوروی   کانہہ گاشدار بیبہ نا

وہ شخص کیا جانتا ہے ۔ جس کے پاس ہر چیز کی فراوانی ہے ۔ جسے حاجتوں نے ذلیل ہی نہیں کیا ۔ وہ گناہ کے سر سارا بوجھ ڈال دیتا ہے ۔ کاش کوئی دیکھنے والا آجائے ۔

تہذیبسی ژھینم لَتہ   دینس کرم بغاوت
تسکین ہتھ تہ نوو تھ   کانہہ ہوشدار بیبہ نا

میں نے تہذیب کے کمر میں لات ماردی ۔ میں نے دین اور دھرم سے بغاوت کی ۔ کاش کوئی ہوش والا دل کا تسکین لیکر نیا نظام زندگی لیکر آجاتا ۔

حُسن و ہنر غلامن   پامن لگان ولامن
نہکے چھلان دامن   پرہیزگار بیبہ نا

غلاموں کا حُسن و ہنر طعن وتشنیع کا ہدف بن جاتا ہے پرہیزگار ناسمجھی میں فضول میری بدگوئی کرتا ہے ۔ کاش وہ دل کے حالات کا خود جائزہ لیتا ۔

سمبتس ہتھیس چھ لعنت   ییتہ سندرہ شکمہ باپت
پوہنوُرہ سندِ دیوان گتھ   زردار یار بیبہ نا

ایسے نظام پر لعنت ہو ۔ جہاں من موہنی دیویاں پیٹ کی خاطر سرمایہ داروں کی دولت کی شمع کے گرد پروانوں کی طرح گھومتی ہوں ۔

{مترجمہ عارف}

سامراج

کماری دِجے

دائمی امن اور ترقی کی طرف

بین الاقوامی طالب علم تحریک

مزدوروں اور کسانوں کے بعد طالب علم سماج کا سب سے زیادہ انقلابی حصہ ہیں۔ تاریخ کی ہر انقلابی تحریک میں خواہ وہ انقلاب فرانس ہو یا روسی عوام کی سوشلزم کے لئے جد وجہد۔ چین میں سامراجی پٹھوؤں کے خلاف مسلح جنگ ہو یا ہندوستان جیسے غلام ملک کی تحریک آزادی طالب علموں کی جد وجہد اور قربانیوں کا باب سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ موجودہ عوامی تحریکوں کے عظیم رہنماؤں کا تعلق شروع میں طالب علموں کی تحریک سے رہا ہے۔ لینن نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی میدان سیاست میں قدم رکھا تھا۔ سٹالن نے بھی طالب علم تحریک سے نکل کر محنت کش عوام کی راہنمائی کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہی حال چینی عوام کے محبوب راہنما ماؤ زے تنگ کا ہے۔ ہندوستان میں بھگت سنگھ اور بنگال اور پنجاب کے دوسرے مشہور مجاہدین آزادی نے زمانۂ طالب علمی سے ہی جہادِ آزادی میں حصہ لینا شروع کیا۔

پچھلی جنگ عظیم کے دوران میں طالب علموں نے جس بہادری سے فاسسٹ درندوں کا مقابلہ کیا۔ وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں انہوں نے مزاحمت کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ اور گوریلا کاروائیوں سے فاسسٹوں کے ان گھناؤنے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ جو وہ سارے یورپ کو غلام بنائے رکھنے کے متعلق رکھتے تھے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر انہیں نازیوں کے وحشیانہ تشدد کا شکار ہونا پڑا۔ ۱۹۴۵ء میں پراگ یونیورسٹی میں سینکڑوں طلباء کو نازیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور انہی چیک شہیدوں کی یاد میں ۱۰ نومبر دنیا بھر کے طالب علموں کے لئے ایک متبرک دن بن گیا ہے۔ جو ہر سال دنیا کے ہر حصے میں پوری شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔

فرانس میں طالب علم فرانسیسی گوریلوں کی انجمن محبان فرانس کا ایک بڑا حصہ تھے۔ یوگوسلاویہ پولینڈ اور اٹلی میں بھی طلباء نے

مردانہ وار نازی گولیوں کا سامنا کیا۔

سوویٹ یونین میں لاکھوں طلبا متحد ہو کر اپنے سوشلسٹ مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے نازی بھیڑیوں کے سامنے آہنی دیوار بن گئے۔ ہر دل عزیز جنگی بہادروں میں سے ایک بڑی تعداد طالب علموں کی ہے۔ زویا اور کتیا کے نام آج سویت یونین میں بچے بچے کی زبان پر ہیں۔

غلام ممالک کی آزادی کی تحریکوں میں بھی طالب علم اپنے دوسرے ہم وطنوں سے کم نہیں۔ وہ کون ہے جو قاہرہ کے اُن نہتے بہادر طالب علموں کو بھول جائیگا۔ جنہوں نے بارہا مسلح سامراجی فوجیوں سے ٹکر لی۔ وہاں آج بھی تقریباً تمام طالب علم انجمنیں غیر قانونی حالت میں چل رہی ہیں۔ **چین** میں جس کہ انسانیت کا پانچواں حصہ منچو سلطنت کی مطلق العنانیت کے بار کے نیچے پڑا کراہ رہا تھا۔ طلبا نے سین یاٹ سین کے جھنڈے تلے جمع ہو کر مطلق العنانی کا خاتمہ کر دیا۔ بعد میں جب چیانگ کائی شیک نے آمرِ مطلق بن کر تمام جمہوریت پسندوں کو کچلنے کے لئے خانہ جنگی کا آغاز کیا تو طلبا نے کومنتانگ رہنماؤں کی اس عوام دشمن پالیسی کے خلاف عظیم الشان مظاہرے کئے۔ کنگ، پیکنگ، نانکنگ، شنگھائی اور دوسرے شہروں میں سینکڑوں طالب علموں کا خون بہا۔ گذشتہ فروری میں کلکتہ میں ہونے والی جنوب مشرقی ایشیا کے نوجوانوں کی کانفرنس میں شہیدوں کی خون بھری قمیضوں کی نمائش کی گئی تھی۔ طلبا نے یہاں بھی بس نہیں کیا۔ بلکہ رجعت پسندوں سے آزاد شدہ علاقوں میں اُنہوں نے ملک کی تعمیرِ نو میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ بندوقیں سنبھال کر اپنے ملک کی جدوجہد آزادی میں حصہ لیا۔ آج جبکہ جمہور دشمنوں کا جنازہ نکلنے والا ہے۔ اور چین کے کروڑوں عوام کے برسوں پُرانے خواب تھوڑے عرصے میں شرمندۂ تعبیر ہونے والے ہیں۔ چینی طلبا اپنی قربانیوں کا ثمرہ پانے پر تمام دُنیا کے نوجوانوں کی طرف سے قابلِ مُبارکباد ہیں۔

انڈونیشیا اور ویٹنام میں طلبا ہتھیار لیکر اپنی آزادی کی جنگیں لڑ رہے ہیں۔ اور ڈچ اور فرانسیسی سامراج باوجودِ برطانوی اور امریکی امن دشمنوں کی حمایت اور امداد کے ان حریت کے مجاہدوں کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔

ملایا میں طالب علم اپنے مزدور ساتھیوں کے ساتھ مل کر برطانوی سامراج کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ دوسری طرف تشدد کا
حال ہے کہ حکومت کی طرف سے بارہ مشہور طالب علم راہنماؤں کے سروں کی قیمت دو ہزار پونڈ فی سر مقرر کی گئی ہے۔ آج ملایا میں برطانیہ
اس سے بھی کہیں زیادہ فوج رکھنی پڑ رہی ہے۔ جتنی کہ جاپانی حملے کے خطرے کے وقت تھی۔

پاکستان میں طالب علم حکومت کی جمہور کش پالیسی کا منہ توڑ جواب دے رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں اپنی قومی زبان
ر بنیادی حقوق کے مسئلے پر وہ ۱۶ مہینوں کے قلیل عرصے میں عظیم لڑائیاں لڑ چکے ہیں۔ اور انہیں خاموش کرانے کے لئے مسٹر جناح
رحوم، لیاقت علی خان اور ناظم الدین کو ڈھاکہ جانا پڑتا تھا۔ اور اب بڑھتی ہوئی تحریک سے خوف زدہ ہو کر طلبا کے لئے طرح طرح کے
لم کش آرڈیننس رائج کئے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں خبر ملی ہے۔ کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کو بند کر دیا گیا ہے۔ مظاہرے خلاف قانون قرار دیئے گئے
در اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو خوفناک سزائیں دی جائیں گی۔ لیکن طلباء اس جبر و تشدد سے ڈرتے نہیں جیسا کہ مشرقی بنگال
ے لاکھوں طلبا کی نمائندہ جماعت ایسٹ بنگال سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکریٹری نے کہا کہ "طلبا اس وقت تک اپنی جدوجہد کو ختم نہیں کریں گے
جب تک کہ یہ غیر جمہوری نظام قائم ہے۔ ہمارا مقصد ایک خوشحال اور جمہوری ملک کی تعمیر ہے اور جب تک وہ پورا نہیں ہو گا۔ ہم گولیوں
ور جیل کی کوٹھڑیوں کا ہنستے ہوئے سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں گے"۔

ہندوستان میں طلباء برطانوی سامراج کے خلاف تحریک آزادی میں شاندار روایات کے مالک ہیں۔ لاکھوں طلباء ماضی میں
لاٹھی چارج، اشک آور گیس، گولیوں، قید و بند کے مصائب اور دوسرے طرح طرح کے جبر و تشدد کا مقابلہ کر چکے ہیں۔ آج بھی تحریک طلبا کی
ی راہ پر گامزن ہے۔ طالب علموں نے آزادی کے حصول کے لئے مسکراتے ہنستے پھانسی کے رسوں کو چوما۔ ۱۹۴۲ء کی جدوجہد میں سٹوڈنٹس فیڈریشن
کے اٹھارہ سالہ راہنما ہیموں کلانی سپیوں اور ساتھیوں کے ساتھ تختہ دار پر کھینچ دیئے گئے۔

سنہ ۱۹۴۶ء میں طلباء نے ہندوستان کے ہر حصے میں آزاد ہند فوج کی رہائی کی تحریک کی راہنمائی کی۔ کلکتہ، بمبئی اور کراچی میں طلبا نے

شاہی ہندوستانی بیڑے کے بہادر باغی نوجوانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف جنگ کر کے دادِ شجاعت دی۔

حیدرآباد میں طلبا نے نظامِ شاہی اور رضاکاروں کے جبر و ستم کا مقابلہ کرنے کے لئے چھاپہ مار دستوں کو جتھہ بند کیا کسانوں اور مزدوروں کے ساتھ مل کر منظم کیا۔ اور تلنگانہ میں تو وہ ڈھائی ہزار دیہات کو نظام شاہی کے چنگل سے آزاد کر کے جاگیرداری اور اسی قسم کی دوسری لعنتوں سے نجات دلانے میں کامیاب بھی ہو گئے۔

کشمیر میں بھی طلباء نے پاکستانی رجعت پسندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نیشنل ملیشیا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کئی محاذوں پر دشمن کے دانت کھٹے کئے اور آج بھی ملک کی تعمیرِ نو کے لئے کوشاں ہیں۔

آج ہندوستان میں طلباء کی جدوجہد جاری ہے۔ اور اسے بڑھانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ طالبِ علم تحریک میں چند غیر جمہوری عناصر طرح طرح کے نعرے لگا رہے ہیں۔ وہ غیر سیاسی انجمنوں، کلبوں اور اسی قسم کے دوسرے نعرے دے کر اُن کی توجہ حقیقی مسائل سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن طلباء جانتے ہیں۔ کہ جب تک اُن کے وہ خواب پورے نہیں ہوتے جن کے لئے انہوں نے ماضی میں قربانیاں دی تھیں۔ اُن کا اپنی جدوجہد کو ختم کرنا محض ترقی دشمنوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ کلکتے، بمبئی، مدراس، بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں طالب علم اپنی جدوجہد سے بتا رہے ہیں۔ کہ انتشار پھیلانے والوں کے کسی بھی جھمیلے میں نہ اُلجھتے ہوئے اور وہ آزادی، امن، ترقی کے جھنڈے تلے سچی قومی آزادی، اپنی تعلیمی مانگوں، بہتر نظامِ زندگی اور سستی تعلیم کے لئے بہادرانہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ اور اُن کے پورا ہونے تک لڑتے رہیں گے۔ ورنہ انہیں کسی قسم کے جبر و تشدد غلط پروپیگنڈا کرنے سے کچلا نہیں جا سکتا۔

تمام دُنیا میں طلباء جنگ کا پروپیگنڈا اور تیسری جنگِ عظیم کے لئے اسباب پیدا کرنے والوں کے خلاف اپنے محنت کش ساتھیوں کے دوش بدوش لڑ رہے ہیں۔

دُنیا بھر کے کروڑوں نوجوانوں کی نمائندہ جماعت ورلڈ فیڈریشن آف ڈیموکریٹک یوتھ (جمہوریت پسند نوجوانوں کی بین الاقوامی
ن) اور طلباء کی بین الاقوامی انجمن (انٹرنیشنل یونین آف سٹوڈنٹس) چیلنج ہیں۔ اِن سب رجعت پسند طاقتوں کے لئے جو دُنیا کو تیسری جنگ میں
لا کر کے کروڑوں عوام کو توپوں کا چارہ بنانا چاہتی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ پر اپنے پیرس کے اجلاس میں ورلڈ فیڈریشن آف
ریٹک یُوتھ نے دُنیا کے حالات کا تجزیہ کر کے سامراجی اور رجعت پسند عناصر کے خلاف لڑنے کے لئے نوجوانوں کو دعوتِ عمل دی تھی۔

اور آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ دُنیا کے ہر حصے میں طلباء نے نوجوانوں کی انجمنوں کے اس پیغامِ جہاد کو پُوری وفاداری
لبیک کہا۔ اور وہ اپنے دوسرے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ ورلڈ فیڈریشن آف ڈیموکریٹک یوتھ اور انٹرنیشنل یونین آف
وڈنٹس کے جھنڈوں تلے مسلح اور پُرامن جد و جہد کرتے ہوئے فاتحانہ انداز سے مصیبتوں اور قربانیوں کے راستے سے ہاتھ میں ہمت
استقلال کی شمعیں لے کر گذر رہے ہیں۔ اور مستقبل قریب میں اپنے عظیم نصب العین دائمی امن اور عالمگیر اشتراکیت کو پا کر
اسے مصائب اور افلاس کا خاتمہ کر دیں گے۔

دنیا بھر کے طلباء کا اتحاد .... زندہ باد

مزدوروں، کسانوں اور نوجوانوں کا اتحاد .... زندہ باد

نوجوانوں اور طلبا کی بین الاقوامی انجمنیں .... پائندہ باد

"وجوں کی یلغار مزاحمت سے رُک سکتی ہے۔ لیکن خیالات کا طوفان نہیں روکا جا سکتا"

وکٹر ہیوگو

بول! اری او دھرتی بول

بول! اری او دھرتی بول
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول

بادل بجلی رین اندھیاری — دکھ کی ماری پرجا ساری
بوڑھے بچے سب دکھیا ہیں — دکھیا نر ہیں دکھیا ناری
بستی بستی لوٹ مچی ہے — سب بنیے ہیں سب بیوپاری

بول! اری او دھرتی بول!
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول

کل جگ میں جگ کے رکھوالے — چاندی والے سونے والے!
دیسی ہوں یا پردیسی ہوں — نیلے، پیلے، گورے کالے!
مکھی، بھنگے، بھن بھن کرتے — ڈھونڈتے ہیں مکڑی کے جالے

بول! اری او دھرتی بول!
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول!!

کیا افرنگی کیا تاتاری — آنکھ بچی اور برچھی ماری
کب تک جنتا کی بے چینی — کب تک جنتا کی بیزاری
کب تک سرمائے کے دھندے — کب تک یہ سرمایہ داری

بول! اری او دھرتی بول!
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول!

نامی اور مشہور نہیں ہم — لیکن کیا مزدور نہیں ہم
دھوکا اور مزدوروں کو دیں — ایسے تو مجبور نہیں ہم
منزل اپنے پاؤں کے نیچے — منزل سے اب دور نہیں ہم

بول! اری او دھرتی بول!!
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول!

بول! کہ تیری خدمت کی ہے — بول! کہ تیرا کام کیا ہے
بول! کہ تیرے پھل کھائے ہیں — بول! کہ تیرا دودھ پیا ہے
بول! کہ ہم نے حشر اٹھایا — بول! کہ ہم سے حشر اٹھا ہے

بول! کہ ہم سے جاگی دنیا
بول! کہ ہم سے جاگی دھرتی
بول! اری او دھرتی بول
راج سنگھاسن ڈانوا ڈول

یائی فیچر

خواجہ احمد عباس

خون اور آنسو

اَناؤنسر۔ چودہ اور پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات (کلاک کے ٹِک ٹِک کرنے کی آواز)

ر اَناؤنسر۔ ایک نیا ملک پیدا ہوا۔

اَناؤنسر۔ پاکستان

ر اَناؤنسر۔ پاکستان جسے وجود میں لانے کے لئے ارکانِ مسلم لیگ نے سامراجیوں کے اکسانے پر نہ جانے کیا کیا چالیں چلی تھیں۔ نہ جانے

م کو کیا کیا دھوکے اور فریب دئے تھے۔ چودہ اور پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کی رات ایک طرف پاکستان زندہ باد کے نعرے تھے۔ اور دوسری

ے دروازہ کھلنے اور ایک مرد کے اندر گھسنے کی آواز }

رد اشرف کی ماں! یوں منہ بسورے بیٹھی ہو۔ کیوں؟ سارا شہر خوشیاں منا رہا ہے۔ چراغاں سے جگمگا رہا ہے۔ پاکستان زندہ باد۔ قائدِ اعظم زندہ باد کے نعروں سے آسمان گونج رہا ہے اور ہمارے گھر میں اندھیرا۔ خاموشی۔ سناٹا۔ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ کیا تمہیں پاکستان بننے کی خوشی نہیں؟

رت کیوں نہیں

رد پھر؟

عورت گھر میں تیل نہیں ہے۔ لالٹین میں ڈالنے کے لئے

مرد بازار سے منگا کیوں نہ لیا؟

عورت پیسے ہوتے تو منگاتی

مرد اوہ! ..... پیسے تو میرے پاس بھی نہیں ہیں۔۔۔ مگر وہ نگر والے بنئے رام دین سے قرض لے لیا ہوتا۔ دو پیسے کا تیل اُدھار دے دیتا۔ تو مر تو نہ جاتا

عورت رام دین کی دکان تین دن سے بند ہے۔ سُنا ہے وہ .... { آگے کہنے سے جھجکتی ہوئی رُک جاتی ہے }

مرد مار دیا!!!۔ چلو اچھا ہوا ایک کافر کم ہوا

عورت اُس کے بیوی بچے بھی

مرد چلو تو کونسی آفت آگئی۔ اِن کمبختوں کی پاکستان میں کیا ضرورت تھی۔ پاکستان صرف ہمارے لئے ہے! شہر کی رونق دیکھنے چلیں۔ تم کسی چیز کی فکر نہ کرو۔ جلد ہی روٹی کپڑے روپے پیسے کسی چیز کی کمی نہ رہے گی۔ ہندوستان کا بٹوارہ کرا کے ہم نے اپنا حق لے لیا ہے۔

عورت بٹوارہ! یہی تو میں سوچ رہی تھی۔

مرد کیا سوچ رہی تھیں؟ تمہیں آج خوشی کے دن یہ کیا اُوندھی سیدھی سوچ پڑ گئی ہے۔ بٹوارے ہی سے تو پاکستان بنا ہے۔ بٹوارے کے بغیر پاکستان کیسے بنتا اور ہم مسلمانوں کی حکومت کیسے قائم ہوتی۔ اب ہمارے علاقے میں کوئی ہندو سر اُٹھائے تو......

عورت مگر ہندو ہیں یہاں کہاں؟ اور پھر جو تھوڑے بہت ہیں وہ بھاگے جا رہے ہیں۔ میں اپنی بہن کے بارے میں سوچ رہی تھی

مرد کون وہ جو پانی پت میں بیاہی گئی ہے؟

عورت ہاں۔ اور میری سہیلی سکینہ جو جالندھر میں ہے۔ اُن کا کیا ہوگا؟ جو سلوک تم نے یہاں ہندوؤں کے ساتھ پاکستان میں کیا ہے کہیں ویسا ہی ہندوستان میں......

مرد ہو سکتا ہے خطرہ تو ہے۔ مگر کیا کیا جائے؟ پاکستان بھی تو بنانا تھا۔ خیر اب ان باتوں کو چھوڑ، چلو برابر والے گھر میں ریڈیو سنیں اشرف کہاں ہے۔

عورت یہیں کہیں کھیل رہا ہوگا۔ یا آتشبازی دیکھنے گیا ہوگا۔

مرد تم تو چلو سننا ہے۔ بڑے بڑے لیڈر ریڈیو پر تقریر کرنے والے ہیں

عورت اچھا چلو......

سین بدلنے کے لئے ملکی موسیقی ریڈیو سے تقریر آنے کی آواز)

پہلا لیڈر ۔ مسلمانو! تمہیں پاکستان کا قیام مبارک ہو۔ آج تمہاری قوم کی زندگی میں انتہائی خوشی کا دن ہے۔ آج سے تم آزاد ہو، مبارک ہو کہ آج سے تمہاری مفلسی اور غربت کے دن بیت گئے۔ اسلامی جمہوری حکومت میں نہ کوئی غریب ہوگا نہ امیر۔ برابری، مساوات، اُخوت اور اسلامی شریعت کا دور دورہ ہوگا۔

دوسرا لیڈر ۔ اب مسلمان آزاد ہوں گے۔ پاکستان میں کوئی بھی مسلمان بھوکا، ننگا نہ رہے گا۔ ہنسو، گاؤ

یاں مناؤ . . . . آج پھر اعلان کرو۔ جشنِ پاکستان

۔ آج زمین آسمان ہنس رہے ہیں۔ خوشیاں منا رہے ہیں

ت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

(ایک پڑوسی بھاگا آتا ہے۔ ریڈیو سے لیڈر کی آواز پسِ منظر میں چلی جاتی ہے)

ایہ — اشرف کی ماں! اشرف کی ماں

ت — کیوں بہن کیا ہوا؟

ایہ — اشرف

. — کیا ہوا اشرف کو؟

ایہ — اشرف مارا گیا۔ کسی نے چھرا گھونپ دیا (جھانجھ کی جھنکار)

ت — میرا اشرف .... (بلکتی درد بھری آواز میں)

ر — اوہ میرے خدا!

(تبدیلی منظر کے لئے ہلکی موسیقی)

ینہ — اب تو چلا نہیں جاتا کتنی دور ہے سرحد (تھکی ہوئی آواز)

ینہ کا شوہر — دس پندرہ میل ہوگی۔ بس ہمت نہ ہارو۔ چلی چلو ایک بار سرحد پار کی تو سب دکھ درد دور ہو جائیں گے

سکینہ — اور یہ کون ہیں جو سڑک کے ادھر چلے آرہے ہیں

سکینہ کا شوہر — یہ بھی ہماری طرح دکھی اور بے گھر معلوم ہوتے ہیں۔ نہ جانے کتنے سینکڑوں میل کا پیدل سفر کر کے آرہے ہیں ..... بیچارے۔

سکینہ — مگر یہ تو الٹی طرف سے آرہے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے

سکینہ کا شوہر — ہاں یہ ہندو اور سکھ ہیں۔ جو وہاں سے ہندوستان آرہے ہیں۔

سکینہ — کیا ان پر بھی ستم توڑے گئے ہیں۔

سکینہ کا شوہر — ہاں ان کی حالت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

(قافلہ چلتا ہے)

سکینہ کا شوہر — کیوں بھائی کہاں سے آرہا ہے تمہارا قافلہ؟

ہندو شرنارتھی — لاہور سے اور بھائی تم؟

سکینہ کا شوہر — ہم جالندھر سے

ہندو شرنارتھی — جالندھر؟ وہیں تو ہم جارہے ہیں۔ کیسا شہر ہے؟

سکینہ کا شوہر — بڑا اچھا شہر ہے .... اور لاہور

ہندو شرنارتھی ۔ لاہور کا کیا کہنا ۔ دیکھ کر تم خوش ہو جاؤ گے ۔
مال روڈ ۔ انار کلی ۔ ایسے شاندار بازار تم نے کبھی نہ دیکھے
ہوں گے ۔ تم کہاں ٹھہرو گے ؟

سکینہ کا شوہر ۔ کون جانتا ہے کسی ریفوجی کیمپ میں اتاریں گے
شاید ۔ اور تم ؟

ہندو شرنارتھی ۔ جہاں اور سب شرنارتھی ۔ شاید آسمان نے سڑک کے
کنارے ہی پڑے رہیں گے ۔

سکینہ کا شوہر ۔ نہیں نہیں بھائی تم سیدھے شیخوں کے محلے جانا
وہاں احمد دین کے مکان کو سب ہی جانتے ہیں تم ہمارے ہی ہو

ہندو شرنارتھی ۔ دھنیہ واد ہو بھائی ۔ اور تم بھی کرشن نگر چلے جانا
ہمارا دو منزلہ پکا مکان ہے ۔ پتھر پر لکھا ہے ۔ موہن نواس ۔

(تبدیلی منظر کے لئے ہلکی موسیقی)

لاہور کا مسلمان ۱ ۔ موہن نواس ! مکان تو خوب اڑایا ہے ۔
سنا ہے ساز و سامان سے بھی بھرا پڑا تھا ۔

لاہور کا مسلمان ۲ ۔ تو پھر اتنے دنوں سے پاکستان زندہ باد
پاکستان زندہ باد ۔ یوں ہی چلا رہے ہیں ۔ اس کا انعام
بھی تو ملنا چاہئے ۔

لاہور کا مسلمان ۱ ۔ مگر میں نے سنا تھا ۔ جو مکان ہندو چھوڑے ہیں ۔
وہ مشرقی پنجاب کے مسلمان پناہ گزینوں کو رہنے کے لئے دئے
جائیں گے ۔ ان بیچاروں کا کیا ہوگا ؟

لاہور کا مسلمان ۲ ۔ تم ان کی فکر نہ کرو ۔ ان کا انتظام گورنمنٹ کرے گی

(منظر بدلتا ہے)

پاکستانی لیڈر ۔ مشرقی پنجاب کے آئے ہوئے پناہ گزین ہمارے
بھائی ہیں ۔ ہمارے مہمان ہیں ۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے
ہیں ۔ یقین دلاتے ہیں ۔ کہ ان کے رہنے سہنے کھانے پینے کا
پورا انتظام کرنے میں حکومت کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی ۔ پناہ گزین
بھائیو اور بہنو ۔ پاکستان تمہارا ملک ہے ۔ اور اس کی ہر چیز
میں پورے حصے دار ہو ۔

مرد ۔ اشرف کی ماں ۔ سنا تم نے ۔ ہماری حکومت پناہ گزینوں کے
لئے کیا کیا کچھ کرنے والی ہے ۔ اب تمہاری بہن ۔ اور تمہاری بیٹی
سکینہ کے گھر والوں کو کوئی دقت نہ ہوگی ۔

عورت ۔ خدا کرے ایسا ہی ہو ۔ مگر ہمارا کیا ہوگا ؟

مرد = یہی تو مشکل ہے۔ وہ ہندو کارخانے دار کمبخت تو بھاگ گیا
لاہور کے سب لوہے کے کارخانے بند پڑے ہیں۔ جنہوں نے
قبضہ کیا ہے۔ انہیں کارخانہ چلانا آتا ہی نہیں۔ کام ملے
تو کہاں ملے؟ مزدوری کرنے جاؤ۔ تو پناہ گزینوں سے
مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ وہ دو دو آنے روز پر مزدوری کرنے
کو تیار ہیں۔ بھگوڑے کہیں کے۔ ہندوستان سے بھاگ
آئے۔ اور یہاں آ گئے، ہماری روٹی چھیننے کے لئے۔

عورت : ہائے۔ ہائے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جو ایسی باتیں
کر رہے ہو۔ جانتے نہیں بیچارے کس مصیبت میں آئے ہیں۔

مرد = جانتا ہوں۔ مگر کیا کروں؟ بیکاری کا کیا علاج؟ کہتے تھے
پاکستان بن جانے دو۔ پھر کوئی غریب بھوکا نہ رہیگا۔
ہونہہ! جھوٹے وعدے، مکر اور فریب۔ اب تم بتاؤ کہ
یہ ہمارے لیڈر اور قائد اعظم کہ ہم کیا کریں؟

اخبار بیچنے والا لڑکا = (چلاتے ہوئے) آج کا تازہ پرچہ۔ تازہ پرچہ
قبائلی مجاہدوں نے کشمیر پر حملہ بول دیا۔ فقیر مانکی شریف
کی پٹھانوں سے اپیل۔ مجاہدوں کے لشکر میں شامل
ہو جاؤ۔ تازہ پرچہ ..... تازہ پرچہ .... (آواز دور ہوتی جاتی ہے)

مرد بس اب یہی ایک رستہ رہ گیا ہے! میں بھی اس لشکر میں
شامل ہو کر کشمیر کو جاتا ہوں۔ بیکار بھوکے مرنے سے تو
یہی بہتر ہے۔

عورت اور میں؟ میرا کیا ہوگا؟

مرد = تم اپنی بہن سکینہ کا پتہ لگا کر اُن کے پاس چلے جاؤ۔
اُن لوگوں کے لئے تو گورمنٹ سب کچھ کر رہی ہے۔ اُن کے
ساتھ تم بھی آرام سے رہو گی۔ اُن کو ضرور کوئی اچھا گھر
مل گیا ہو گا رہنے کے لئے۔

(ہلکی موسیقی۔ منظر بدلتا ہے)

سکینہ = کیوں۔ اُس موہن نواس کا پتہ چلا؟

سکینہ کا شوہر = ہاں۔ مگر اُس پر تو کسی نے پہلے ہی سے قبضہ
کر رکھا ہے۔

سکینہ = خیر ہم نہیں تو کسی اور پناہ گزین کے کام تو آ رہا ہے۔

سکینہ کا شوہر = وہ پناہ گزین نہیں ہے۔ بڑا رئیس آدمی ہے۔
شہر میں دو اور مکان ہیں اُس کے۔

سکینہ = (حیرت سے) پھر بھی اُس نے اِس مکان کے قبضہ کر لیا ہے؟

سکینہ کا شوہر = اس پر ہی بس نہیں۔ ہندوؤں کے دو اور مکانوں پر بھی!

سکینہ = تو تم اس سے کہتے۔ کہ ہم پناہ گزین ہیں۔ وہ ضرور ان میں سے ایک مکان ہمیں دیدیتا۔

سکینہ کا شوہر = ایک مکان! میں نے اس سے کہا ایک کمرہ دیدو تب بھی وہ نہ مانا۔

سکینہ = یہ تو ظلم ہے۔ سراسر ظلم۔ مالک مکان نے اپنا مکان ہمیں دیا ہے۔ ہم نے اپنے مکان سے بدلہ کیا ہے۔ نہیں کہنا تو چاہئے تھا

سکینہ کا شوہر = میں نے کہا۔ تو وہ بولا۔ تم ہندوؤں کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہو۔ بھاگ جاؤ۔ نہیں تو تمہیں پکڑا دونگا۔

سکینہ = یا خدا! یہ کیا اندھیر ہے۔ یہی ہے وہ اسلامی برادری جس کے لئے پاکستان بنا تھا۔ ایسے لوگوں کی رپورٹ حکومت سے کرنی چاہئے۔ کسی سرکاری افسر سے ملے ہوتے۔ تو وہ شاید مدد کرتا۔

سکینہ کا شوہر = ملا تھا۔ نہ جانے کتنے دفتروں میں دھکے کھائے۔ کئی عرضیاں دیں۔ کتنے فارم بھرے۔

سکینہ = پھر کیا جواب ملا۔

سکینہ کا شوہر = جواب ملا لاہور میں بہت بھیڑ ہو گئی ہے۔ شیخوپورہ جاؤ۔

پہلی آواز = شیخوپورہ جاؤ!

دوسری آواز = وزیرآباد جاؤ!!

تیسری آواز = جھنگ جاؤ!!!

چوتھی آواز = منٹگمری جاؤ!!!!

(موسیقی کی زوردار جھنکار)

ایک آواز = **منٹگمری** اگست ۱۹۴۷ء (جھانجھ کی جھنکار)

سکینہ = کیا ہم پناہ گزین ہمیشہ یونہی ٹھوکریں کھاتے رہینگے؟

سکینہ کا شوہر = (تقریر کرتے ہوئے) نہیں نہیں نہیں۔ اب ہم یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتے۔ دس گیارہ مہینے ہم بھکاریوں کی طرح دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ پناہ گزین ساتھیو! میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ پاکستان کے نام پر ہم کو دھوکا دیا گیا ہے فریب کیا گیا ہے۔ ہم سے کیا کیا وعدے کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا گیا۔ نہ ہمیں رہنے کو کوئی ٹھکا

نصیب ہوا ہے۔ نہ ہمارے لئے کام کاج کا کوئی انتظام ہوا ہے
دس مہینے ہم نے انتظار کیا۔ مگر صبر کی بھی حد ہوتی ہے۔ کیا
یہ ظلم ہم ہمیشہ برداشت کرتے رہیں گے؟

بہت سی آوازیں ۔ (ایک ساتھ) نہیں!

سکینہ کا شوہر = کہتے ہیں پاکستان امیر غریب سب کے لئے بنا ہے۔ پھر
کیا وجہ ہے۔ کہ امیر رئیس تو لاکھوں کی جائیدادیں اور مال سامان
ہضم کر بیٹھے ہیں۔ اور ہمیں دو وقت سوکھی روٹی بھی
نصیب نہیں ہوتی۔ کیا اسی کا نام اسلامی برادری ہے؟

بہت سی آوازیں = (ایک ساتھ) ہرگز نہیں!!

سکینہ کا شوہر = تو کہاں ہے وہ نام نہاد پاکستان؟ کہاں ہیں وہ پاکستان کا
نعرہ لگانے والے لیڈر؟ اگر کسی کے پاس جواب ہے تو بولے!
(خاموشی) اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ آج ہم حکومت کے
افسروں سے ضرور جواب طلب کر کے رہیں گے۔ ہمیں روٹی
چاہئے۔ کپڑا چاہئے۔ مکان چاہئے!

{یک وقت بہت سی آوازوں کا شور}

آوازیں = روٹی۔ کپڑا! (وغیرہ وغیرہ)

پہلی آواز = پولیس!

دوسری آواز = ملٹری! (گولی چلنے کی آواز زخمی لوگ بھاگتے ہیں)

افسر = فائر!

سکینہ (اپنے شوہر کو گولی لگتے دیکھ کر) آہ! ظالمو! خدا
تم سے اس ظلم کا بدلہ لے گا {زخمی شوہر کو مخاطب کرتے
ہوئے} ... بولو .... بولتے کیوں نہیں ....
آہ تم چلے گئے؟ مجھے اکیلا چھوڑ کر ... (روتی ہے)
(آہ آہ کی آوازیں)
... کون تم؟ تم یہاں؟ تم تو پناہ گزین
نہیں نہیں ... تم اپنا گھر چھوڑ کر یہاں گولی کھانے
کیوں آ گئیں؟

عورت = ہیں ... ہیں ... وہ کہہ گئے تھے۔ کہ حکومت پناہ گزینوں
کے لئے بہت کچھ کر رہی ہے۔ تم بھی ان میں مل جانا۔

سکینہ اور یہ ملا انعام نہیں .... مگر وہ کہاں ہے؟ تمہارا شوہر؟

عورت وہ تو کشمیر جہاد کرنے گئے ہوئے ہیں۔

سکینہ = جہاد! (عورت سے) جہاد تو یہاں ہو رہا ہے۔

رحیمن! اور یہ دیکھو سچا مجاہد اور شہید

عورت: نہ جانے وہ کہاں ہیں؟ ... زندہ بھی ہیں یا ....
آہ (مر جاتی ہے)

(المیہ موسیقی)

مرد: ہا ہا ہا ... ہا ہا! ... مجھے چھوڑ دو۔ میں پاگل نہیں ہوں
میں پاگل نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب! مجھے کیوں باندھ رکھا ہے
میں کوئی ڈنگا نہیں ہوں۔ میں باولا کتا نہیں۔ میں تو مجاہد
ہوں مجاہد .. ہا ہا ہا۔ کشمیر میں جہاد کر کے آیا ہوں ...
دیکھو ... میری وردی پر لگے ہوئے بیج دیکھو ... دیکھو نہیں
میں نے جہاد میں پچاس آدمیوں کو مارا۔ پچاس کافروں کو؟
ہا ہا ہا ... کافروں کو نہیں ... مسلمانوں کو ... کشمیری مسلمانوں
کو ... ہا ہا ہا۔ ان کے خلاف ہی تو جہاد کرنے گئے تھے۔ ہم
آزاد کشمیر کے مجاہد! ... آزاد کشمیر ... ہمارے یورپین افسر
ہاں ہاں ہمارے بڑے بڑے افسر یورپین ہی تو تھے۔ مجاہدوں کے
افسر یورپین! ہا ہا ہا۔ کتنی ہنسی کی بات ہے؟ ہاں تو ہمارے
افسر کہتے تھے۔ تم لوگ گھبراؤ نہیں۔ ہم تم کو کشمیر دلوائیگا۔
ہا ہا ہا ... تو ہم جہاد کو گئے۔ کافروں سے لڑنے۔ مگر وہاں
ہمارے مقابلے میں ہندوستانی فوج کے ہندو نہیں آئے۔ بلکہ
کشمیری فوج کے مسلمان نیشنل ملیشیا کے جوان۔ اور انہوں نے
اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ہم پر حملہ کر دیا۔ ہم مجاہدین پر ....
سنا تم نے ڈاکٹر؟ وہ کافر نہیں تھے۔ کافر نہیں تھے۔
ہم تو اپنے بھائیوں کشمیری مسلمانوں کے خلاف جہاد لڑ رہے تھے۔
کتنی ہنسی کی بات ہے۔ جبھی تو اس وقت سے میں اس وقت تک
ہنس رہا ہوں۔ مگر یہ سب لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ سر میں گولی
کھا کر میں پاگل ہو گیا ہوں۔ پاگل۔ ہا ہا ہا ... میں پاگل نہیں
ہوں ... صرف مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ ہنسی! کیوں ہنسی کی بات
نہیں۔ کشمیری مسلمانوں پر پاکستانی فوجیں حملہ کر رہی ہیں۔
منٹگمری میں پناہ گزینوں پر پاکستانی پولیس اور فوجیں گولیاں
چلا رہی ہیں۔ اور اسی کا نام ہم نے رکھا ہے جہاد ... اسی کا
نام ہے پاکستان ... اسی کا نام ہے پاکستان!
پاکستان۔ جہاد — جہاد۔ پاکستان ... ہا ہا ہا! ...
... ہا ہا ہا۔

مست کشمیری

جنگِ آزادی

سرخ پرچم لے کے نکلے ملک کے بیرو جواں
صیغمِ کشمیر گرجا صورتِ شبیر ژیاں
بھول کر سب امتیازِ قوم و ملت اٹھ پڑے

ہمتِ اہلِ ریاست کا تھا وقتِ امتحاں
متحد اُس کی قیادت میں ہوئے خورد و کلاں
بن کے سارے مردِ میدانِ شجاعت اٹھ پڑے

گو نہتے تھے ہوئے لڑنے پہ آمادہ مگر
لاٹھیاں بھالے کدالیں بیلچے تھے دوش پر
جس نے جو شے سامنے پائی اٹھا لی بے دریغ

ڈٹ گئے میدان میں ہو کے سب سینہ سپر
بانس۔ چپو۔ ہاکیاں۔ کلہاڑیاں تیغ و تبر
اور چلا دی قلبِ دشمن پر دونالی بیدریغ

ولولے جاگے۔ شجاعت بھری اور مچلا شباب
تشنۂ خونِ عدو۔ کشمیری پُر اضطراب
اہلِ سیف و تیغ۔ برہمن اور زاہد بن گئے

سوئے دشمن صورتِ طوفاں بڑھا ہر شیخ و شاب
گونج اُٹھے نعرہ ہائے اتحاد و انقلاب
کنجِ عزلت سے نکل کر سب مجاہد بن گئے

مکتبوں کے طفل تک پلٹن میں شامل ہو گئے
بازو شاہیں سے توانا زعنا دل ہو گئے
پنجہ کرنے پر تلے سب دستِ استبداد سے

اور قومی فوج میں جا جا کے داخل ہو گئے
کہنہ عمر و ناتواں بھی سب جواں دل ہو گئے
لوہا لینے کو اُٹھے سب خنجرِ جلاد سے

چھوڑ کر سیندور و سرمہ بھول کر ساز اورنگار
خلد کی حوریں ہوئیں غیظ و غضب سے شعلہ بار

-

دوش پہ لے کر جو بندوقیں تو پہلو میں کٹار — مضطرب جانے کو ہیں سوئے محاذ کارزار
بجلیوں کی طرح بکھریں ناریاں کشمیر کی — برق سوزاں بن گئیں چنگاریاں کشمیر کی
دوشِ نازک جن کے شل ہوں گیسوؤں کے بار سے — گر نہیں کھاتی ہوں خم جن کی گلوں کی ہار سے
ہم قدم اب ہو گئیں وہ وقت کی رفتار سے — جائے گل جھڑنے لگے انگار اب گفتار سے
سخت جاں فولاد پیکر ہو گئیں وہ گلبدن — نکلیں میدان وغا میں باندھ کر سر سے کفن
کوئی ہے جھانسی کی رانی کوئی رضیہ کی مثال — کروٹیں لیتا ہے دل میں خشم و قہر و اشتعال
اِن کے چنگل سے عدو کا بچ کے جانا ہے محال — رکھتی ہے ہر اک مہا کالی کی ہیبت اور جلال

جوہر عزم و شجاعت اب دکھلانے لگیں
عورتیں کشمیر کی مردوں کو شرمانے لگیں

(زیر تصنیف نظم کشمیر پر یورش پاکستان سے چند بند)

"ملک سے غربت اور لاعلمی دور کرنے اور نیا کشمیر کے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جنگ میں خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کریں گی۔ جو قومیں انقلاب اور حالات حاضرہ کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں۔ وہ غلامی اور محکومی کے جال میں پھنس جاتی ہیں جنگ آزادی میں اپنی جانیں دینے والوں کی ارواح ہمیں جذبۂ قربانی اور جد و جہد کا درس دیتی ہیں۔"

{محترمہ زینب بیگم صدر زنانہ نیشنل کانفرنس کی حالیہ تقریر کا اقتباس}

فکر تونسوی

ایک طبقہ یہ بھی ہے ......

(طنزیہ خاکہ)

آخر ایک دن تنگ آ کر میں "ہنسی" کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ایک سال تک کڑوے زہریلے آنسو۔ گندی گندی آہیں اور بجھی بجھی نگاہیں دیکھ دیکھ کر میرا جی ڈوب گیا۔ ایک دن اکتا کر میں اسی مقصد پر باہر نکلا۔ کہ اگر جنونی فسادیوں اور تقسیم ملک کے نوحہ خوانوں کے جنگل سے کہیں بچ گئی ہو۔ تو "ہنسی" کو جا کر ڈھونڈوں۔ کوئی ایک ہلکا سا قہقہہ ہی سہی۔ دھیمی سی مسکراہٹ ہی سہی۔ زیرِ لب تبسم ہی سہی۔ غضب خدا کا یہ لاکھوں مظلوم لوگ کتنے منتقم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اک ذرا سا دنگہ ہوا۔ قدرے ملک بانٹ دیا گیا۔ تو انہوں نے طوفان سر پر اٹھا لیا۔ اور اندر ہی اندر کچھ ایسی سازش کی کہ بس ایکدم یک طرفہ زندگی گذارنے پر ہی کمر باندھ لی۔ بس آنسو ہی آنسو۔ ارے ظالمو! کوئی ہنسی۔ کوئی قہقہہ۔ کوئی تبسم۔ مگر لاکھ تکلفا لو ذہن کے نام پہ دے الٹ پلٹ کر نوچ ڈالو۔ رگ رگ کو جھنجھوڑ دو۔ مگر جدھر سے جھٹکو۔ جہاں سے الٹو۔ بس موسلا دھار آنسوؤں کی بارش ہو جاتی ہے

اور پھر چلتے چلتے میں شہر سے بہت دور نکل گیا۔ شہر سے دور نکلنے کی دیر تھی۔ کہ مجھے اپنے جسم میں ایک عجیب و غریب سی تبدیلی ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یہ تبدیلی یکدم اور اتنی تیزی کے ساتھ ہوئی تھی۔ کہ میرے لئے اس تبدیلی پر یقین کرنا بھی مشکل معلوم ہونے لگا لیکن تبدیلی کو میرے یقین کرنے یا نہ کرنے کی کیا پروا تھی؟ وہ تو ہو رہی تھی۔ وہ تو زمین کو آسمان بنائے دیتی تھی۔ جیسے کوئی شدید قسم کی تاریکی کو شدید قسم کی روشنی میں تبدیل کر دے۔ جیسے کوئی زبردست آہ کو زبردست قہقہے میں تبدیل کر کے رکھ دے۔

اور پھر لہلہاتے ہوئے سرسبز درختوں کے سائے میں ایک حسین اور دلاویز روش پر گھومتی ہوئی۔ سرسراتے ہوئے ریشمی لباس میں ملبوس سرتاپا نور میں ڈوبی ہوئی "ہنسی" مجھے نظر آ گئی۔

میں نے پوچھا —— "تم کہاں تھیں؟" اس نے کہا —— میں یہیں تھی! "کب سے یہاں ہو؟" یاد نہیں۔ کتنے ہی زمانے

گذرے — مگر تم کون ہو — جو " "شاعر ہوں" ایک سال سے تمہیں ڈھونڈتا پھرتا ہوں۔"
"ہوں! شاعر ہو؟ کہاں رہتے ہو؟" "شہر میں رہتا ہوں ابھی ابھی وہاں سے ہی آرہا ہوں۔" "شہر سے! کیا بات
تھی وہاں کا۔ سنا تھا کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی وہاں۔ کیا یہ سچ تھا؟" "ہاں! لاکھوں آدمی اپنے گھر کو بار چھوڑ کر بھاگے۔ چھوٹے
بڑے ہزاروں مارے گئے۔" "ہوں — کوئی طاعون، وباء پھیلا تھا؟" "نہیں۔ آزادی ملی تھی۔ انگریز چلا گیا تھا نا
وہ ہندوستان سے۔" "شاعر! یہ آزادی وازادی کی بھنک تو ہم نے بھی سنی تھی۔ ایک دن یک تک یہ سیٹھ نے بستی کا مکھیا بننے
ہونے پر بڑے کی تھی۔ مگر ہم سب یہی سمجھتے رہے۔ کہ مسٹر سیٹھ شراب کے نشے میں ہمیشہ ایسی بڑیں ہانکا کرتی ہے۔"
چالیس لاکھ ہندوؤں نے مسلمانوں پر اور چالیس لاکھ مسلمانوں نے ہندوؤں پر کرپانوں، بندوقوں اور چھروں سے ایک
دوسرے پر حملہ کر دیا تھا۔ اور خون کی ندیاں بہہ نکلی تھیں۔ اور بچے ماؤں سے الگ ہو گئے تھے۔ اور بہنیں بھائیوں سے جدا
ہو گئی تھیں۔ اور بیویاں خاوندوں سے چھوٹ گئی تھیں۔ اور بوڑھے . . . . . .
"پھر؟ . . . پھر وہ لاکھوں آدمی کیا ہوئے؟ کیا سب مر گئے؟" "ہاں۔ کچھ جسمانی طور پر مر گئے۔ اور کچھ ذہنی طور پر۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" "میرا مطلب ہے مر گئے کمبخت سب کے سب!" "جھوٹ تو نہیں کہہ رہے؟ کیونکہ کل جب میں کار میں
بیٹھ کر دیوالی میں "ٹیم کو اینڈ فلاور" دیکھنے گئی تھی۔ تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ بازاروں اور سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔" "لیکن
وہ سب مرے ہوئے تھے۔ کیا وہ روتے۔ چیختے۔ گڑگڑاتے اور بھیک نہیں مانگ رہے تھے؟"
"بھیک؟ ہاں ہاں بھیک۔ لیکن بھیک تو وہ ہمیشہ مانگتے رہے تھے۔ سینما کے باہر بھکاری بھی اسی طرح موجود تھیں۔
بلکہ کل تو ان کی تعداد کچھ بڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔" "وہ بھکاری نہیں ہوں گی۔ رفیوجیز ہوں گی۔"
"ہوں گی کوئی؟ — لیکن شاعر! انہیں مانگنے کی تمیز تو ابھی بالکل نہیں آئی۔ ایک پھٹے کپڑوں اور میلے کچیلے ناخنوں

کام دلایا جائے۔" "ہُنھ! کتنی خشک اور بے معنی بات ہے۔ اور پھر میں وہاں کیا کروں گی بھلا؟ ۔ مجھ سے تو ایک منٹ بھی وہاں نہیں ٹھہرا جا سکیگا۔"

"میں چاہتا ہوں۔ کہ ان آنسو بہانے والوں کو تم تھوڑی سی ہنسی دے آؤ۔ اور اگر ہو سکے۔ تو اس ہنسی کے بدلے میں تھوڑے سے آنسو لے آؤ۔ وہ بڑے فیاض اور دریا دل لوگ ہیں۔ تھوڑی سی ہنسی کے عوض تمہیں بہت زیادہ آنسو دے دینگے" "میں کیا کرونگی بھلا آنسو لے کر؟" "بہایا کرنا۔ بڑا مزا آتا ہے آنسو بہانے میں۔" "خاک مزا آتا ہے۔ اُس دن پلے کے مرنے پر ممی نے آنسو بہائے تھے۔ ساری آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔" "تو تم نہیں چلوگی؟" "نا بابا نا؟ ۔ مجھے تو چار بجے چرن دادا کی پارٹی پر جانا ہے" "کاہے کی پارٹی ہے؟" "تم نہیں جانتے ۔ تم تو کچھ نہیں جانتے شاعر! لجے وہ یادورا اسٹیٹ کے چیف منسٹر ہو گئے ہیں نا؟ اسی تقریب پر وہ ایک شاندار ٹی" دے رہے ہیں۔ وہاں بڑے بڑے وزیر۔ کرنیل۔ اور راجے آئیں گے ۔ آہا ہا۔ کتنی بیوٹی فل ہو گی یہ ٹی ۔ میرے کرنیل آہوجہ بھی آئیں گے۔ اور میں ان کے ساتھ ..... " "کیا کرنیل آہوجہ تم سے "لو" کرتے ہیں؟" "میں بھی تو ان سے "لو" کرتی ہوں۔ بڑے قیمتی اور نئے نئے سوٹ پہنتے ہیں۔ وہ تم جانتے ہو شاعر! اُن کے پاس فورڈ کی چار کاریں ہیں۔ ہاں ممی کہتی تھیں ایک کار تو وہ بالکل تمہیں دے دینگے ۔" "کہاں سے لائے وہ اتنی کاریں؟"

"ارے؟ کہاں سے لائے ۔۔۔ انہیں کیا پروا ہے۔ انکے بابا آٹھ جاگیروں کے مالک تھے۔ اور آہوجہ کہتے تھے۔ آجکل شاید دس جاگیریں ملی ہیں انہیں۔ دو کاریں تو انہوں نے نیلام میں خریدی تھیں۔ وہ جو پچھلے دنوں نیلام ہوئی تھیں نا مسلمانوں کی۔ اور کیا؟ وہ کوئی ایسے ویسے جاگیردار تھوڑے ہیں۔ چار کوٹھیاں ہیں انکی۔ دو بمبئی میں نئی نئی خریدی ہیں ۔ دساونک ان کا نام ہے ۔ ہاں! ۔"

"تم جانتی ہو۔ یہ ساری دولت کہاں سے آتی ہے؟" "میں کیا جانوں؟ ۔ رل جاتی ہے کسی نہ کسی طرح ۔ مگر سنا ہے۔ پرماتما جسکی

تقدیر میں دولت لکھ دیتا ہے۔ ایسے ہی ملتی ہے۔" "میرا خیال ہے۔ پرماتما ایسا نہیں کرتا ہوگا۔ وہ اتنا بے ایمان نہیں۔" "اچھا بھائی ہوگا
کسی طرح۔ مجھے اس سے کیا؟۔ تمنے تو مجھے بہت "بور" کردیا شاعر! میں کتنے مزے میں یہاں ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے
کھا رہی تھی۔ تم نے آکر سارا مزا کرکرا کردیا۔ غزل بھی تو نہیں سناتے تم۔ کوئی اور اچھی سی بات بھی تو نہیں کرتے۔ لائیٹ سی ذرا
"میں اندھیرے میں بھٹک رہا ہوں۔ سارا شہر اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔ لائٹ بات کہاں سے کروں۔ ہمیں آزادی ملے
ڈیڑھ سال ہو رہا ہے۔ مگر اندھیرا چھپتا ہی نہیں۔ آنسو رکتے ہی نہیں۔ آہیں تھمتی ہی نہیں۔ میں تمہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلا
تھا۔ لیکن تم ملتی ہی نہیں۔" "تم پھر آزادی کا بکھیڑا لے بیٹھے۔ یہ کونسے قسم کی آزادی ملی ہے تمہیں۔ کیا وہ کوئی ایسی چیز ہوتی ہے۔
جس کے ملتے ہی آنسو رک جاتے ہیں۔ آہیں تھم جاتی ہیں۔ اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔" "ہاں! آزادی ایسی ہی ہوتی ہے۔ انگریز کے
جانے کے بعد ہمیں ایسی ہی آزادی کی امید تھی۔" "اچھا۔ وہی انگریزوں والی آزادی کی بات کر رہی ہو تم۔ لیکن وہ تو
سنا ہے۔ اتنی اچھی آزادی تھی۔ کہ سیٹھ جیال کو کروڑوں کا منافع ہونے لگا۔ دامودر بابو نے نئی نئی کوٹھیاں بنوالیں مسٹر
مہوترہ کو دس بارہ ٹھیکے مل گئے۔ اور اب یہ چرن داد ابھی تو اسی آزادی پر ہی چیف منسٹر بن رہے ہیں۔ اور تم کہتے ہو۔ کہ وہ
انگریزوں والی آزادی میں آنسو تھے۔ آہیں تھیں۔ اور کیا الم غلم تھا۔ شاعر! ابھی تم جھوٹ بہت بولتے ہو۔" "میرے
جھوٹ میں تمہارا سچ بھی شامل ہے۔ لیکن تمہارے سچ میں میرا جھوٹ شامل نہیں ہے" "اُف! تم کبھی کبھی کیا چکرا دینے والی باتیں
کر جاتے ہو۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کہ تم نے کیا کہا؟" "تمہاری سمجھ پھولوں اور پھلوں اور ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے
جھونکوں سے رچی ہوئی ہے۔ اور میری سمجھ میں قتل۔ چھرے۔ کرپانیں اور بم لئے ہوئے ہیں۔" "اوہ!۔ تم شاعر ہو یا جلاد۔
اتنے گندے اور گھناؤنے نام تمہارے اندر لیسے ہوئے ہیں۔؟ مجھے تو تم سے ڈر لگنے لگا ہے!" "صرف تم ہی نہیں۔ مجھ سے تو تمہاری
طرح کئی دوسرے بھی ڈرنے لگے ہیں۔ مگر میں کیا کروں؟ میں تو جو کچھ دیکھتا ہوں۔ تمہیں سنا رہا ہوں" "تم اتنی گندی گندی باتیں

کیوں سُنتے اور دیکھتے پھرتی ہو، پاپا تمہاری یہ باتیں سن لیں۔ تو تمہیں ابھی قید کرا دیں۔" "کیا تمہارے پاپا کے پاس کوئی زنجیر ہے" "کیوں نہ زنجیر کیوں ہو نگی ان کے پاس۔ ان کے پاس تو ٹیلیفون ہے" "اچھا تو میں چلتا ہوں" "قہ۔ قہ۔ قہ۔ گھبرا گئے بس شاعر! تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ کیا تم شہر چھوڑ کر ہمارے پاس نہیں آ سکتے؟" "لیکن تمہارے پاپا کے ٹیلیفون سے ڈر لگتا ہے مجھے" "قہ۔ قہ۔ قہ — نہیں بابا نہیں۔ وہ تو میں نے مذاق سے کہہ دیا تھا۔ بھلا شاعروں کو بھی کوئی قید کرتا ہے؟" "لیکن شہر والے کیا کہیں گے۔ کہ ہمارے لئے ہنسی لانے نکلا تھا۔ اور خود ہنسی میں ڈوب کر رہ گیا۔" "لیکن تم سے پہلے بھی تو کئی شاعر آئے تھے یہاں۔ انہوں نے تو شہر واپس جانے کا نام تک نہیں لیا۔ کہتے تھے۔ شہر والے دن رات جھوٹ موٹ آنسو بہایا کرتے ہیں"

"ہاں ٹھیک کہتے تھے۔ یہاں آ کر تو مجھے بھی شک پڑنے لگا ہے۔ کہ وہ آنسو جھوٹ موٹ کے ہی ہونگے۔ یہاں کی فضا میں نجانے کیا جادو ہے۔" "یہاں ہنسی کا جادو ہے۔ ہا ہا ہا! — اچھا شاعر! سچ سچ بتاؤ کیا تمہارے شہر والوں کے پاس واقعی ہنسی نہیں ہے؟" "ہوں: تو میں یہاں کیوں بھاگ آتا۔ اب تو میں جا کر شہر والوں سے کہہ دونگا۔ کہ ......"

"یعنی کہ گارڈن روڈ پہ۔ درختوں کے سائے تلے۔ ایک روغنی کوٹھی کے باغیچے کی روشوں پر "ہنسی" چھپی ہوئی ہے۔ اور وہ شہر نہیں آنا چاہتی۔" "وہ نہیں۔ بگاڑیں گے تو کچھ نہیں۔ بس بھاگے بھاگے آئینگے۔ اور تمہیں چوٹی سے گھسیٹ کر لے جائینگے۔"

"اوئی اللہ! — ایسے وحشی ہیں تمہارے شہر والے؟ میں تو کبھی بھی نہیں جاؤں گی وہاں — اپنے پاپا سے کہہ کر ٹیلیفون پہ ......" "لیکن سنو تو — ارے تم بھاگی جاتی ہو — میری ایک بات تو سنتی جاؤ" "ہا ہا ہا ہا — تم شاعر واعر نہیں ہو۔ کوئی ڈاکو معلوم ہوتے ہو۔ میں شہر کبھی نہیں جاؤنگی — ہنہ! اکیلے میں ہی تھوڑے دنیا میں ہنسنے والی رہ گئی ہوں۔ وہ مس پرمیلا اتنے زور سے ہنستی ہے۔ کرنیل مسچندہ کی مسز کتنا اونچا قہقہہ لگاتی ہے۔ اور وہ حسن بھلی سیٹھ کی

لڑکی تو ٹھٹھے پر ٹھٹھا لگانے باز نہیں آتی۔ اور —— سینکڑوں ہونگی دوسری۔ مجھے ہی کیوں کمبخت کرتے جانینگے وہ شہر والے —— وحشی! —— ہنہ!! ——"

اور یوں —— "ہنسی" میرے ہاتھ سے نکل کر کوٹھی کے اندر داخل ہو گئی۔ اور میں بے نیل و مرام شہر کی طرف لوٹنے لگا —— اور سوچتا رہا —— کہ اگر میں شہر والوں سے جا کر کہہ بھی دوں —— کہ جبھی تمہارے ہونٹوں کی ہنسی چھین لی۔ وہاں کوٹھی میں چھپی ہوئی ہے۔ تو کب مانیں گے۔ اور اگر مان بھی جائیں۔ تو کیونکر کوٹھی کا رخ کر لیں گے۔ سب یہی کہدیں گے کہ شاعر جھوٹ کہتا ہے۔ ہمیں خوامخواہ دکھاتا ہے۔ بھلا دوسروں کی دولت پر کسی کا کیا اختیار —— پرماتما نے جس کے بھاگ میں ہنسی لکھدی سو لکھدی۔ اب بھی پرماتما چاہیگا —— تو ہمارا دامن کبھی نہ کبھی بھر ہی دیگا۔ اُس کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے ؟

شہر والوں کے آنسو دیکھکر میں چڑ جاتا ہوں —— اور اکثر "ہنسی" کے پاس پہنچتا ہوں۔ ہنسی کہتی ہے کہ وہ آنسو جھوٹ موٹ کے ہوتے ہیں۔ اسلئے میں نہیں چلتی۔ اور میں سوچتا ہوں —— کاش! کسی طرح یوں ہو جائے کہ میں "ہنسی" اور آنسوؤں کو کسی جادو کے زور سے ایک مرتبہ ہی آمنے سامنے کرا دوں۔ اور پھر اُسی تیزی کے ساتھ ان دونوں کو ایک دوسرے میں گوندھ دوں —— کہ پھر کبھی بھی جدا نہ ہو سکیں ——

لوگو! —— کیا تمہارے پاس وہ جادو ہے ؟

ہمارا نصب العین

"جب تک کشمیری عوام کو مکمل آزادی حاصل نہ ہوگی۔ ریفرنڈم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پہلے ہمیں اپنے کندھوں سے بوسیدہ جاگیرشاہی کا بوجھ اتار پھینکنا ہے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کی گلوگیر شخصی فرمانروائی سے آزاد ہونا ہے۔ تب کہیں ہم اس قابل ہونگے۔ کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ آزاد انسانوں کی طرح کر سکیں۔ ایک آزاد انسان کی رائے کو ہی رائے کہا جا سکتا ہے۔ غلام اور مجبور لوگوں کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔" (سوپور ضلع کنونشن میں حضرت مولانا مسعودی جنرل سکریٹری آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی ۲۹ جنوری کو تقریر۔)

امپریلیزم کے ایجنٹوں کی اولین ناپاک تمنا یہ ہے۔ کہ کشمیر کی سرزمین انہیں مل جائے۔ اور بغیر کشمیر کے باشندوں اور کشمیریوں کے پروگرام کے اگر یہ نہ ہو سکے۔ تو سرزمین کے ساتھ ساتھ کشمیری عوام کا بچا کھچا حصہ ایسی حالت میں گوارا کر لیا جائے۔ کہ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی پروگرام ہو۔ نہ نصب العین۔ تاکہ وہ اندھے اور بہرے ملازمین کی طرح اپنے اُن آقاؤں کے اشاروں پر ناچ سکیں۔ جو کشمیر کے باغات اور دولت پر متصرف ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ جہاں تک کشمیریوں کے نصب العین نیا کشمیر کا تعلق ہے اُس کا نام سنتے ہی ہمارے دشمن کانپ جاتے ہیں۔ اور اس کی موجودگی میں اپنی ناپاک تمناؤں کو بروئے کار لانے کی امید نہیں پاتے۔ اگر امپیریلزم کے ایجنٹوں کو آج یہ یقین ہو جائے کہ کشمیر کے باشندے اور انکا نصب العین آپس میں اتنا گہرا تعلق رکھتے ہوئے ہیں کہ انکو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو ان کے ہوش ٹھکانے آجائینگے۔ وہ کشمیر پر لالچ کی نگاہ سے پھر کبھی دیکھنے کی جرأت نہیں کرینگے۔"

"ہمارا نصب العین نیا کشمیر ہے۔ کسی نوآبادی سے الحاق نہیں۔ نیا کشمیر کو پورا کئے بغیر کسی نوآبادی سے الحاق قوم کی اٹھارہ سالہ جدوجہد سے غداری کرنے کے مترادف ہوگا۔" {حضرت مولانا کی ۱۱ اور ۱۸ فروری ۱۹۴۹ء کو سرینگر میں تقاریر کے اقتباسات}

ظفر پیامی

نئے جال

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر ساری دنیا میں عوامی بیداری کا جو طوفان اُٹھا۔ اُس نے کشمیر کی بلند اور برف پوش چوٹیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کشمیر کی وادیوں اور میدانوں میں بھی صرف یہی نعرہ گونجنے لگا۔ کہ سرداری عوام کا حق ہے۔ اور ایک مطلق العنان حکمران کو بغیر عوام کی فرض کے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کشمیر چھوڑ دو وہ نعرہ تھا۔ جس نے ایک طرف تو مہاراجہ اور اس کے ساتھی سامراجیوں کو حواس باختہ کر دیا۔ دوسری طرف سارے ہندوستان میں جہاں پہلے "ظل اللہ" کے زیر سایہ ذمہ دار حکومتیں قایم کرنے کے چرچے ہو رہے تھے۔ وہاں بھی بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ جس کی وجہ سے حکمران طبقے کے علاوہ ایسے لوگ بھی پریشان ہو گئے۔ جو اپنے آپ کو ریاستی عوام کے راہنما کہتے ہوئے بھی اپنے دماغ میں یہ خیال نہ لا سکتے تھے۔ کہ عوام کی خواہش ہی سب سے بڑا قانون ہے۔ اور اُس کے سامنے تمام عہد نامے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک نے کشمیری عوام میں خود اعتمادی کی روح پھونک دی۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی سو سالہ تحریک آزادی کا ایک دور ختم ہو گیا۔ انگریز شاطر دو حکمران طبقوں کے درمیان ملک بانٹ کر اپنے آپ کو عوامی انقلاب کی آگ سے صاف بچا کر نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور پھر اُس میں جنگی ڈال کر دور سے ہی جمالو کیطرح تماشہ دیکھنے لگا۔ فسادات کی وہ آندھی چلی۔ جس نے نہ صرف ہزاروں انسانوں کو موت کی نیند سُلا دیا۔ بلکہ ایک کروڑ کے لگ بھگ انسانوں کو ایک مملکت سے اکھاڑ کر دوسری میں پھینک کر بے گھر بنا دیا۔

کشمیری عوام نے بھی اِس طوفان کے جھٹکے محسوس کئے۔ لیکن انہوں نے تہیّہ کیا ہوا تھا۔ کہ وہ اپنی تحریک آزادی کی ناؤ کو ہرگز اِس خونی طوفان میں نہ ڈوبنے دینگے۔ چنانچہ کشمیری عوام بڑی ہمت و استقلال سے اپنے ساحل مراد یعنی مکمل آزادی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اِدھر فرنگی شاطروں نے پُرانے نمک حلال مہاراج کو اشارہ کیا۔ اُس نے جموں اور دوسرے سیاسی طور پر پسماندہ علاقوں میں فسادات کی آگ بھڑکائی۔ لیکن وہ آگ بانہال کے برف پوش درے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ چنانچہ اب فرنگی شاطروں نے اپنے بدارادے مٹی میں ملتے دیکھ کر دوسری جانب رخ کیا۔ اب وہ مسلح حملہ کرواکے نئی جمہوریت اور نظام کے گہوارہ کو اپنی ملک پرستی کی ہوس کا شکار بنانے جاتے تھے۔ ابھی حملہ آور سرینگر سے تقریباً تین میل دور ہی تھے۔ کہ مہاراجہ بہادر جو کہ سپہ سالار اعظم تھے فوج اور جنتا دونوں سے پیچھا چھڑا کے جموں کی طرف بھاگ نکلے۔ جس کی وجہ سے عملی طور پر شاہی سرداری ختم ہو گئی۔ ایسے نازک دور میں اُن کو مجبوراً حکومت کی باگ ڈور شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں دینا پڑی۔ اور اس طرح ہنگامی حکومت وجود میں آئی جو نیشنل کانفرنس کی حکومت تھی۔ اس کے بعد جس ہمت اور استقلال سے کشمیری عوام نے حملہ آوروں کے خلاف جنگ لڑ کر اپنی نئی آزادی کی حفاظت کی۔ وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ لیکن مہاراجہ کے سرینگر سے جانے کے بعد جو ذہنی تغیر ملک میں ہوا۔ وہ ناقابل بیان ہے۔ اسکے بعد دوسری اہم تبدیلی اسلحہ ایکٹ کے تنسیخ سے ہوئی۔ یہ نیشنل کانفرنس حکومت کا پہلا کام تھا۔ وہ کشمیری جس کے لئے صدیوں سے ہتھیار رکھنا بغاوت جیسے سنگین ترین جرم سے کم نہ تھا۔ اب یہ سوچنے میں حق بجانب تھا۔ کہ گو ملکی بدحالی کی وجہ سے اس کے پاس ہتھیار نہیں۔ لیکن سرزمین ہندو پاکستان کے برّاعظم میں کشمیر ایسی جگہ ہے۔ جہاں کہ حکمران طبقے نے محض اپنی حفاظت کے لئے عوام سے ہتھیار رکھنے کا حق نہیں چھینا ہوا ہے۔ لیکن باوجود کئی مشکلات کے کشمیر کے نوزائیدہ قومی رہنماؤں نے خوابیدہ و خوف زدہ عوام میں

زندگی کی لہر دوڑا دی۔ جس سے ملک بھر میں خود اعتمادی اور حفاظت خود اختیاری کا آہنی جذبہ پیدا ہو گیا۔

جب سامراجیوں نے اس طرح بھی اپنی دال گلتی نہ دیکھی۔ تو ایک نئی چال چلی گئی۔ جسے مکمل ڈھٹائی سے ثالثی کے نام سے یاد کیا جا رہا ہے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ ہمارے بڑے بڑے مدبرین سیکورٹی کونسل کے اعلان کی مختلف تاویلیں سوچ رہے ہیں۔ اور عام درمیانہ طبقہ بھی کمال معصومیت سے رائے شماری میں کشمیریوں کے فیصلے کا منتظر ہے۔ لیکن ہمیں فخر ہے۔ کہ باوجود ہر طرح کی چالاکیوں کے ایک عام کشمیری اچھی طرح سے اُن نئے جالوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو سات سمندر پار کے حکمران جمہوری تحریک کو شکار بنانے کے لئے پھینک رہے ہیں۔ ہمیں وہ تمام وجوہات جاننی پڑینگی۔ جو کہ اس گولی بند کرنے کا معاہدہ کا باعث نہیں۔ ذرا سوچنے کا مقام ہے۔ کہ جب جولائی ۱۹۴۸ عیسوی میں پاکستان کے راہنماؤں کو دسمبر سے بہتر شرائط مل رہی تھیں۔ تو انہوں نے کیوں انکار کر دیا۔ اور اس وقت امن کے سب سے بڑے پیغمبروں کی طرح بلا چون وچرا تمام شرائط منظور کر لیں۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ ملایا۔ انڈونیشیا، ویتنام چین اور برما میں ابھرتے ہوئے عوامی بیداری کے سیلاب سے اینگلو امریکن غلام گردوں کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ چنانچہ اب وہ ہر صورت میں اس مقام میں بالکل امن چاہتے ہیں۔ جہاں کہ ان کا ارادہ اپنے فوجی اڈے قائم کرنے کا ہے۔ جب تک کہ یہ حکمت عملی تھی۔ کہ کٹھ پتلیوں کو ڈور ہلا ہلا کر لڑایا جائے تو انہیں میدان جنگ لڑا دیا گیا۔ اور جب حالات بدل گئی۔ تو انہیں خاموش کرا دیا گیا۔ اور اس لئے دولت مشترکہ کے ممالک میں باہمی تعاون اور مشترکہ دفاع کے لئے شور مچایا جا رہا ہے۔ آج طرح طرح کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ امیر البحر نمٹز کو کامیابی کے لئے دعائیں دی جا رہی ہیں۔

کشمیری عوام بڑی حیرانگی سے اس ہیر پھیر کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح خریدار۔ دل کے اس سودے کو قبول کر لیں گے۔ اس اشاعت میں نیشنل کانفرنس کے

راہنماؤں کے بیانات اور کشمیر میں محنت کشوں کی ابھرتی ہوئی تنظیم کے کام سے یہ پوری طرح سے عیاں ہوتا ہے۔ کہ کشمیری عوام سامراجیوں کی سازشوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی محبوب منزل مقصود "نیا کشمیر" اور آزادی کی طرف گامزن ہیں۔ کشمیر نے ہندوستان کی پچھلی دس سال کی سیاسی تاریخ میں قومی تحریک کو اجاگر کیا ہے۔ ۱۹۴۴ء میں کشمیر نے دو قوموں کی جمہوری کا خاتمہ کرنے کے لئے تہذیبی و تمدنی بنیادوں پر حق خود ارادیت تسلیم کرنے کا بلاوا دیا۔ ۱۹۴۶ء میں بادشاہ کے خدائی حقوق وغیرہ کا فاتحہ نہیں پڑھا گیا۔ ہمیں آج بھی یقین ہے کہ کشمیری عوام جنہوں نے ابتک صحیح سیاسی سوجھ بوجھ سے کام لیکر ہندوستان کو راہ دکھائی ہے۔ سامراجیوں کی مداخلت کیخلاف بھی صف آرا ہو کر ایشیا بھر کے عوام کے لئے نمونہ بنیں گے۔ انہیں صاف طور سے سامراجی ادارے بھانپ لینے ہونگے۔ جو کبھی مذہب اور کبھی سیاست کا نام لیکر انہیں اپنی بنا خود ہی ڈبونے پر اکسا رہے ہیں۔

آج ہمیں سوچنا ہوگا۔ کہ آخر وہ کونسا بھائی چارہ ہے۔ جس کے تحت اگر کراچی میں ہری سنگھ کا پرانا ریزہ خوار مسلم کانفرنس کا جنرل سکرٹری آغا شوکت انجمن اقوام متحدہ کے کمیشن کے سامنے ڈہائی دیتا ہے۔ کہ خدارا جلدی کیجئے کیونکہ لڑائی سے فارغ ہونے پر عبداللہ حکومت کو اپنا پروگرام پوری طرح سے چلانے کا موقعہ مل جائے گا۔ اور یہاں چین جیسے حالات پیدا ہو جائینگے۔ تو دوسری طرف یہاں رجعت پسند کشمیری پنڈتوں کا اخبار مارتنڈ بھی وہی راگ الاپتا ہے۔ مفاد خصوصی کے یہ دونوں نمایندے محض اسلئے شور مچاتے ہیں۔ کہ نیشنل کانفرنس حکومت نے چند ایسی اصلاحات کی ہیں۔ جن سے محنت کش طبقے کو کچھ فائدہ پہنچا ہے۔ کشمیر کے عوام کو یاد رکھنا ہوگا۔ کہ مطلق العنانیت کے خلاف اور نیا کشمیر کے حصول کے لئے اپنی جنگ کو جتنا تیز کریں گے۔ اتنا ہی سامراجی مداخلت کرتے ہوئے گھبرائیگے صرف یہی ایک راستہ ہے۔ جس سے کہ کشمیری عوام اپنی جنت بے نظیر کو جہنم بننے سے روک سکتے ہیں۔

دوسری طرف کشمیری عوام کی طرف سے ہم نے کچھ باتیں بیرون کشمیر کے تمام جمہوریت پسندوں سے کہنی ہیں یہ تو صاف ہے۔ کہ کشمیری عوام کو اقوام متحدہ جیسے سامراجیوں سے غلبہ شدہ اداروں پر بالکل بھروسہ نہیں۔ کشمیری عوام یقیناً اعتماد رکھتے ہیں ان ممالک کے عوام پر۔ جو کہ بھی قومی آزادی اعلےٰ نظام زندگی اور عوامی جمہوریت کے لئے جنگیں لڑ رہے ہیں۔ اس وقت ملکوں اور قوموں کو غلام بنانے والے پرانے شکاری نئے جال بچھا رہے ہیں۔ کشمیر کی دو حصوں میں تقسیم یا سارے کشمیر پر براہ راست ٹرسٹی شپ کے چرچے ہو رہے ہیں۔ اور چال یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عوام کو ایسی بھول بھلیوں میں ڈال کر انہیں بنیادی مسئلہ بھلا دیں۔ اور وہ انہی کی پیش کردہ تجویزوں کی اچھائیاں اور برائیاں جانچنے لگ جائیں۔ اس مسئلے میں وہ سمجھوتہ باز راہنماؤں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ لوگ کشمیری عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے نئے آقاؤں کے حوالے کر کے اپنے ملک کے عوام سے کہیں گے۔ کہ ہم نے دو برائیوں میں سے ایک کم برائی کو چنا ہے۔ ان حالات میں ہندوستان کے عوام کو خصوصاً جان لینا چاہئے۔ کہ کشمیری عوام کی جد و جہد ایک خاص مسلک یا مذہب سے تعلق رکھنے والے حکمران کے خلاف نہیں۔ بلکہ اس سماج کے خلاف ہے۔ جس کی پیداوار تمام مہاراجے، نواب اور راج پر مکھ ہیں۔ حضرت قائد اعظم نے ۱۹۴۶ء میں کہا تھا۔ کہ ہم حیدرآباد پر بھی وہاں کے عوام کا اتنا ہی حق سمجھتے ہیں۔ جتنا کہ کشمیر میں کشمیری عوام کا۔ کشمیری عوام کا ساتھ دینا رجعت پسند نظام کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ اگر سامراجیوں کے فوجی اڈے کشمیر میں بنے۔ تو ہندوستان بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ ہندوستان کو میدان جنگ بننے سے بچانا چاہتے ہیں۔ تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ کہ وہ ملک گیر انہ حکمت عملی کے خلاف اپنی آواز بلند کریں۔ اور ڈنکے کی چوٹ بتا دیں۔ کہ

سامراجی مداخلت سے کشمیر کی تقسیم ہرگز قبول نہیں کی جائیگی۔ اور کشمیر کا فیصلہ واشنگٹن لندن کراچی

اور دہلی کے سیاسی مدبرین کے ایوانوں میں نہیں۔ بلکہ کشمیر کی سرزمین پر کشمیر کے محنت کش فرزند کرینگے
اقتدار کشمیری عوام کا حق ہے۔ مہاراجہ کے تمام امتیازی حقوق ختم کئے جائیں۔
نیا کشمیر کے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر ممکن طریقے سے اہل کشمیر کے ہاتھ مظبوط کئے جائیں۔
سامراجی گفت و شنید کو قابل التفات تصور نہ کیا جائے۔
کشمیری عوام کی آزادانہ رائے کو ابھرنے کا جائز موقع دیا جائے۔
کشمیر کے سپوتوں کو حفاظت خود اختیاری کے لئے ہتھیاروں سے لیس کیا جائے۔

ابھی تک سامراجی مداخلت خلاف، مؤثر طور پر آواز نہیں اٹھائی گئی۔ اور وہ اسے اپنی ذاتی جاگیر سمجھ کر کشمیری عوام سے بے زبان جانوروں جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسوقت تمام جمہوریت پسندوں کا فرض ہے۔ کہ غلامی کی زنجیریں ڈھالنے والے کارخانوں کے خداؤں پر ظاہر کردیں۔ کہ کشمیری عوام کی پشت پر دنیابھر کے محنت کش عوام ہیں۔

اِس دور میں تمام جمہوریت پرست ادیبوں پر ایک خاص ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ آج تک کشمیر کو کلہ رہا ہے۔ کہ جتنا حصہ کشمیر نے قومی تحریک میں لیا ہے۔ اتنا قومی مصنفین نے اپنے زور قلم سے اُسے اُجاگر نہیں کیا۔ اگر وہ کشمیر کے حُسن کے افسانے کا لکھتے۔ اور گیت گاتے ہیں تو بھی انہیں جان لینا چاہئے۔ کہ اگر اس مرحلے پر انہوں نے آواز نہ اٹھائی۔ تو وہ جنت کو جہنم میں تبدیل ہوتا پائیں گے۔ اور تاریخ کبھی بھی خاموش تماشائیوں کو معاف نہیں کر سکتی۔ اگر وہ سپین۔ چین۔ سویٹ یونین اور دوسرے ملکوں کے مجاہدین حریت کے نغمے گا سکتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ کشمیری عوام کو وہ فراموش کردیں۔

جنتا کی طاقت واخوت پر وشواس رکھتے ہوئے ہمیں پورا یقین ہے۔ کہ بیرون کشمیر کے عوام کشمیر کی جنگ کو اُتنا ہی
با سمجھیں گے۔ جتنا کہ اپنی جمہوری حقوق کی جنگ کو۔ ہمیں مکمل بھروسہ ہے۔ کہ کشمیری مجاہدینِ حُریّت اور دنیا بھر کے
تی پسند عوام اگر پوری طرح ہاں کر جد وجہد کریں۔ تو اُن کے سامنے انسانوں کے تاجروں کے پھینکے ہوئے آہنی جال کچے
ھاگوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اور وہ دن دور نہیں۔ جبکہ کشمیری عوام ایشیا کے آگے بڑھتے ہوئے ترقی پسند
ام کے دوش بدوش سامراج کی متعفن لاش کو آخری ٹھوکر لگانے میں کامیاب ہو کر ایک نئے نظام کا آغاز کرینگے۔ جو کہ
نیا سے غلامی افلاس اور بدامنی ختم کرنے کا پیش خیمہ ہوگا۔

کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کا محبوب نصبُ العین

"نیا کشمیر" بارہ آنے ۱۲

کشمیر میں زرعی وصنعتی اصلاحات۔ چار آنے ۴

اور ان کے علاوہ سیاسیات کشمیر پر تازہ ترین معلومات کی کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ادارہ تعمیر ریزیڈنسی روڈ سرینگر کشمیر

بلراجِ کومل

زِندگی کی لپک

آج میری زمین گیت گانے لگی۔
آج میری زمین کے لبوں سے ترانے اُبلنے لگے۔
اور میرے سجیلے جوانوں کے لشکر نگاہوں میں شمعیں جلائے ہوئے
آگے بڑھنے لگے۔
آج ہستی کا دھارا بدلنے لگا۔
آج انسان تقدیر کے بول کو جھوٹ کہنے لگا۔
آج انسان کی چشم شفاف میں روشنی کی پھواریں مچلنے لگیں۔
دور تک شور طوفان بننے لگا۔
آسمانوں میں ناچی لچکتی کرن
اور لاکھوں۔ کروڑوں کھلونوں کی پلکیں اٹھیں دیکھنے
روشنی کی چھما چھم میں ہنستی ہوئی زندگی کی پھبن
اور کانوں میں انسانیت کا وہ نغمہ اترنے لگا
جس کو سننے کی خاطر ہزاروں ہی صدیوں سے انسان نے
کوششیں کیں زمانے کے ظلم وستم اپنے سینے پہ تھامے تڑپتا رہا۔
سہمے سہمے سے چہروں پہ تابانیاں آج کلیوں کی مانند کھلنے لگیں۔
آج ہستی کا آنچل لہکنے لگا۔

ہمدمو! آج عزمِ سفر لے کے آگے لپکتے چلو۔
پرچموں کو ہواؤں میں کھولے ہوئے
گیت گاتے ہوئے
منزلوں کے لئے آگے بڑھتے چلو
اک جہاں شگفتہ تمہارے لئے منتظر ہے افق پر ستارے کی مانند ہنستا ہوا
اور دھرتی کا نغمہ ابھرتی ہوئی آدمیت کا پیغام انوار ہے۔

[...] بیدی صاحب اس عوامی مانگ کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کریں گے۔ قیمت بارہ آنہ [...]نہ اور طباعت اعلیٰ پیمانے کی۔ سرورق موٹے کارڈ بورڈ جس پر شیخ صاحب کی نایاب تصویر ہے۔ ملنے کا پتہ تعمیر ریذیڈنسی روڈ سری نگر۔ کشمیر۔

نیا ادب کا جنگ آزادی نمبر

اگر جنگ آزادی کے نمائندہ ادب کی تاریخ مرتب کرنے کو کہا جائے تو اس میں نیا ادب کے جنگ آزادی نمبر کا حصہ سب سے پہلے ہوگا۔ یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے کہ ۱۸۵۷ء سے [لے]کر موجودہ دور تک کے عوامی ادیبوں کی دلوں کی دھڑکنوں کو ایک جامع شکل دے کر کتابی صورت میں پیش کیا گیا۔ نیا ادب کا جنگ آزادی نمبر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عام تسلیم شدہ خیال کی کوئی حقیقت نہیں کہ موجودہ دور سے پہلے ہندوستانی ادیب صرف اپنی [د]نیا میں بستے تھے۔ اور انہیں عوام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ حقیقت یہ کہ ادیب ہر دور میں مدبرین سے بھی آگے رہے ہیں جب کبھی "مصلحت" پیش نظر رکھنے [والے] سمجھوتہ باز راہنماؤں نے حاکموں سے ساز باز کر کے عوام کو خود فریبی کی افیون پلانے کی کوشش کی تو ادیب خاموش نہیں [رہے] تھے اور انہوں نے ادب کی ہی نہیں بلکہ عوام کے سارے ترقی پسند طبقے کی نمائندگی کی۔ یہی حال اب ہے راہنماؤں نے آزادی کے مفہوم [کو] بھلا دیا ہو تو پہلے ہی بھلا دیا ہو لیکن ترقی پسند ادیبوں نے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ آزادی ایک نئے دور میں داخل ہوئی [...] مادر ہند کے ان فنکار بیٹوں نے عام سرمایہ [دار] پریس کی طرح آزادی نمبر نکالنے کی بجائے جنگ آزادی نمبر نکالا۔ سچی قومی اور معاشی آزادی کے لئے ہندوستانی عوام کی جدوجہد کو جس جرأت سے ہندوستانی ادیبوں نے اپنایا ہے نیا ادب میں اس کی پوری جھلک ملتی ہے۔ لیکن اگر اس میں ہمیں چند نئے ادیبوں سے بھی روشناس کرایا جاتا تو ادب کی ایک بڑی خدمت ہوتی۔ آجکل نام کے پیچھے مرنے کی ایک مرض سی ہو گئی ہے۔ اور بہتر ہوتا کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کا ماہنامہ اس رسم کو توڑ دیتا اور ہمیں نئے ادیبوں اور ان کی تخلیقات سے روشناس کراتا۔ کشمیر کے بارے میں بھی اس پر نمایاں طور سے زور نہیں دیا گیا۔ بہر حال نیا ادب کا جنگ آزادی نمبر اردو کے ترقی پسند ادب کے ایک دور کے خاتمے اور نئے کے آغاز کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ہم اس کے ادارے کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ادارہ: سردار جعفری۔ خواجہ احمد عباس۔ کرشن چند۔

قیمت ڈھائی روپیہ۔ ملنے کا پتہ
کتب پبلشرز ریگل بلڈنگ ۲ اپالو نیو بمبئی نمبر ۱

پندرہ روزہ نیا کشمیر جموں
(مدیر سید نذیر سمنانی)

سمنانی صاحب نیشنل کانفرنس کے پُرانے کارکنوں اور اُن اخبار نویسوں میں سے ہیں۔ جنھوں نے ہر طرح کے مصایب کا سامنا کرتے ہوئے شیر کشمیر کا ساتھ دیا ہے۔ یہ اُن جیسے مجاہدین آزادی کی قربانی ذہن کا نتیجہ ہے۔ کہ اس وقت کشمیر میں آزادی کا پودا پروان چڑھ رہا ہے۔ اب انہوں نے جموں کی نسبتاً جغرافیائی اور سیاسی طور سے سنگلاخ زمین سے نیا کشمیر کا اجراء کیا ہے۔ اس کے جتنے نمبر ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیا کشمیر کا ادارے اُسے صحیح معنوں میں ایک معیاری جریدہ بنانا چاہتا ہے۔ نیا کشمیر کا پہلا نمبر کشمیر کی قومی تحریک کے متعلق یقیناً ایک قابل قدر مجموعہ ہے۔ اس کے بعد کے بھی چھپنے والے مجموعوں سے ظاہر ہے کہ نیا کشمیر کشمیری عوام کے لئے کافی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن چند چیزیں کھٹکتی بھی ہیں ایک تو ابھی تک اس کے شماروں کی حیثیت مجموعوں کی زیادہ اور جریدے کی کم رہی ہے۔ بہت سی چیزیں مثلاً پہلے ہی نمبر میں بہت سے مضامین مطبوعہ ہیں۔ جن کا حوالہ دینا معیاری اخبار نویسی کی روایت بن چکی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ آج کشمیری عوام کو سامراجی مداخلت کے خلاف متحد کرنے کے لئے پوری طرح سے سیاسی تجزئے کرنے کی پالیسی کی ضرورت تھی جو کہ ابھی تک واضح طور سے اختیار نہیں کی گئی تیسرے طباعت کتابت پر زیادہ محنت سے کام نہیں لیا گیا معلوم ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ادارہ نیا کشمیر ان چند فروگذاشتوں سے دامن بچالے تو اسے بلا خوف وخطرہ کشمیری ادب اور سیاست کی نمائندگی کے والے جریدوں میں جگہ دی جا سکتی ہے۔

قیمت فی پرچہ دس آنہ چندہ سالانہ بارہ روپے

بقیہ از صفحہ نمبر ۱۲۲ جہاں تک بین الاقوامی سیاسیات کا تعلق ہے آپ اُن چند راہنماؤں میں سے تھیں جنھوں نے سامراج پرستوں کا ساتھ دینے کے لئے عوامی تحریکوں کے خلاف کبھی کوئی بیان نہیں دیا یہ حادثہ نہیں اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ محترمہ کشمیر کے قدرتی اور انسانی حُسن اور یہاں کی جمہوری تحریک کی بڑی مداح تھیں۔

دوسرا سانحہ ہندوستان کے مشہور اداکار چندر موہن کا جاتا ہوا ہے۔ ہم دماغ میں بھی نہیں لاسکتے کہ وہ فنکار جس کی پردۂ سکرین پر گرج مشہور تھی اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی ہے۔ اور اُسکا پھرتیلا اور موزوں جسم جو کہ ہندوستانی فن اداکاری کو چار چاند لگاتا تھا۔ اب مٹی کا ڈھیر بن چکا ہے۔ اس کی موت فلمی دنیا میں وہ خلا پیدا کرگئی ہے جس کا پورا ہونا بہت مشکل ہے۔ **تعمیر:**۔ ان دونوں سانحات میں ہندوستان کے خصوصاً اور باقی دنیا کے ادب وفلم کے ماہرین کے غم میں عموماً شرکت کا اظہار کرتا ہے

بقیہ معمار

۔۔وغیرہ وغیرہ۔

ماضی ایک گوجر گھرانے میں پیدا ہوا اور پتالیں سال کی عمر میں شاعری شروع کی۔ اور مسلسل پندرہ سال سے اپنے آڑھتی مالک اور ادب دونوں خدمت کر رہا ہے۔ آڑھتی! جی ہاں آڑھتی کی خدمت۔ وہ ایک مزدور ہے۔ ۔ل جو ترازو پر بوریاں لادنا اور تولنا اس کا کام ہے۔ مدیر تعمیر اس کی نظم لینے کے لئے کئی دفعہ اس کے پاس گیا۔ ایک دو دفعہ تو وہ ٹالتا رہا بعد میں اس نے سچی بات بتائی کہ وہ نظم کس چیز پر لکھے اس کے پاس کوئی کاغذ نہیں ہے۔ لیکن اس کی نظموں کو کاغذ کی ضرورت نہیں۔ اچانک ایک شام اس کے ساتھیوں میں خبر دوڑ جاتی ہے۔ کہ اس نے نئی نظم کہی ہے۔ بس شام کو چھٹی کے بعد اس کے گرد ایک جمگھٹ لگا جس میں وہ جھوم جھوم کر اسے سناتا ہے۔ کئی پڑھے لکھے اسے وہیں نقل کر لیے گئے اور دوسرے دن وہ سینکڑوں اشخاص کی زبان پر ہوگی۔ وہ ترقی پسندی اور رجعت پسندی کی بحثوں کو محض پیٹ بھروں کے چونچلے سمجھتا ہے۔ "میں نے نہ کبھی سرمایہ دار کے قصیدے لکھ کر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی مزدور کو لیکچر پلا کر اس کا لیڈر بننے کے خواب دیکھے۔ میں محض اپنے لئے لکھتا ہوں یہ اور بات ہے کہ میرے اکثر اہل وطن مجھ جیسے مفلس اور محنت کش ہیں۔ اور وہ ان چیزوں کو جو میں اپنے لئے لکھتا ہوں اپنا لیتے ہیں؟" اسی جذبے کے تحت اس نے ماضی میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ اسی جذبے کے تحت وہ اس وقت کمربستہ ہوا جب قبائلی حملہ کی وجہ سے اس کے وطن کی عزت و ناموس خطرے میں پڑ گئی تھی اور اسی جذبے کے تحت آج وہ کسانوں کو "نیا کشمیر" کے حصول کے لئے متحد ہونے کا آواز دیتا ہے۔

عارف :- عارف ایک ایسا ادیب ہے۔ جس نے ادب کو محض ایک بے راہ روی کا ذریعہ سمجھ کر ہی نہیں اپنایا بلکہ جس وقت عوام اپنے بنیادی حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ اس وقت اس نے حساس دل اور سیاسی طور پر صاف ذہن رکھتے

ہوئے اُن کے جذبات کو سُنا اور پھر اپنی زبان پر لایا۔ جنہوں نے بعد میں مشہور عوامی گیتوں کی شکل اختیار کرلی۔

علیگڑھ یونیورسٹی سے ماسٹر آف سائینس پاس کرنے کے عِلاوہ ادب میں بھی سائنٹفک قدروں کا قایل ہے۔ اُس نے اپنی ایک نظم میں ایک جگہ کہا ہے کہ "میری محبوب وہ کشمیری جنتا ہے جو دُنیا کی سخت جفاکش اور ذہین ترین قوموں میں سے ہوتے ہوئے بھی بھیڑ بکریوں کے گلّے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ دلیسی اور بدیسی سرمایہ دار جس کے خُون سے آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتے ہیں اور دُنیا کی مختلف حکومتیں جیسے فریب کاری اور طاقت کی لاٹھی کے زور سے اپنے چنگل میں پھانس لینا چاہتی ہیں۔"

وہ اپنی ہر نظم میں اپنے اِس قول پر قایم ہے۔ کشمیری شاعری کو عوامی ترقی پسند نظریات سے روشناس کرانے میں عبدالاحد آزاد کا ہاتھ بہت زیادہ ہے۔ بلکہ اپنی تلخی اور مخصوص انداز کا مالک ہونے کی وجہ سے اِسے اپنی طرز، کا مُوجد کہا جائے تو بالکل بے جا نہ ہوگا اب تک کلام کے کئی ایک مجموعے چھپ چُکے ہیں۔ اُمید ہے مستقبل قریب میں ایک جامع مجموعہ چھپ جائے گا۔

پریم ناتھ پردیسی:۔ جہاں کشمیر نے ماضی میں ایسے فن کار پیدا کئے ہیں۔ جن کی تصانیف سے نہ صرف کشمیری جاننے والے ہی بلکہ بیرونِ کشمیر کے علم و ادب کے پرستار بھی براہِ راست فیض حاصل کر سکتے تھے۔ اسی طرح ہی موجودہ دَور میں کشمیر نے صرف کشمیری میں ہی لکھنے والے پیدا نہیں کئے بلکہ ایسے ادیبوں کو جنم دیا ہے۔ جن پر نہ صرف کشمیر بلکہ ہندوستان کا ادب فخر کرسکتا ہے۔ اُن ادیبوں میں موجودہ دَور میں پریم ناتھ پردیسی کا مقام بہت بلند ہے۔ اِسے بھی کشمیر کے بیشتر ادیبوں کی طرح فرصت کا لمحہ میسر نہیں ہوا اور فکرِ معاش کے ساتھ ساتھ ہی اِس کا اَدب پروان چڑھتا رہا۔ اسی لئے اس کے ادب میں گھریلو جھگڑوں نوکری کے بندھن اور زندگی کے دوسرے چھوٹے موٹے مسئلے رچے ہوئے ہیں۔ کِسی زمانے میں شاعری کرتا تھا۔ لیکن اب نثر میں شاعری کو ہی ترجیح دی ہے۔ اُسے ہندوستان کے اُن ادیبوں سے گِلہ ہے جو جب بھی کشمیر کے متعلق لکھنے بیٹھتے ہیں تو سوائے حسن کے کوئی دوسرا موضوع اپنا ہی نہیں سکتے اِس لئے

وہ اپنی ہر کہانی میں تصویرِ کشمیر کے اصل رُخ کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب تک وُنیائے ادب کو عام رسالوں اور دو مجموعوں کے ذریعے بیسیوں افسانے ــــ اور بچوں کے لئے ایک ناول اور کہانیوں کے پانچ مجموعے دے چکا ہے۔

مستؔ کاشمیری :- یہ ایسا ادیب ہے جس پر قلم کو نہیں بلکہ قلم پر جس کا اختیار ہے۔ ایک پُرانا اخبار نویس اور بسیار نویس شاعر ہے طویل نظمیں لکھنے پر خاص ملکہ رکھتا ہے۔ اور طرہ یہ کہ جُوں جُوں آپ نظم میں بڑھتے جاتے ہیں تھکنے کے بجائے آپکا شوق بڑھتا جاتا ہے۔ کشمیر پر حملے کے دوران میں وہ ادب میں چند اعلےٰ نظموں اور مضامین کے ذریعہ اضافہ کر چکا ہے۔

صدرالدین مجاہد :- مجاہدؔ اس کا تخلص ہی نہیں اس کی پوری زندگی کو ایک لفظ میں ظاہر کرنے کا طریقہ ہے۔ سالوں سے "خالدؔ" کا ایڈیٹر ہے۔ جس کو یہ فخر رہا ہے کہ نیشنل کانفرنس کے اخبار "خدمت" کے بعد وہ اخبار ساری وادیٔ کشمیر میں ہے۔ جو کہ لگاتار عوام کی مطلق العنانی کے خلاف جدوجہد میں ساتھ دیتا رہا۔ اسی بے خوف اخبار نویسی کے جُرم میں اسے کئی بار قید وبند کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اخبار نویسی کے علاوہ نیشنل کانفرنس میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پاکستانی حملہ آوروں کے خلاف کشمیر کے جہادِ آزادی کے دوران میں اُس نے عوام کو بیدار کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ آج کل "خالدؔ" کی ادارت کے ذریعہ عوام کو آخری جنگ کے لئے تیار کرنے میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل کانفرنس کی تنظیمی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لے رہا ہے۔

مولانا محمد سعید مسعودی :- آپ کُل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کے جنرل سکریٹری ہیں۔ مولانا صاحب حضرت قائدِ اعظم شیخ محمد عبداللہ کے اُن چند ساتھیوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے آج سے اٹھارہ سال قبل کشمیر کی قومی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اور اپنی تنظیمی قابلیت سے نیشنل کانفرنس تحریک کو نہ صرف کشمیر بلکہ ہندوستان کی مضبوط ترین علاقہ وار عوامی تحریک بنا دیا۔
آپ اُن رہنماؤں میں سے نہیں جو کہ محض ڈرائینگ روموں میں بیٹھ کر عوام کی بہبود کے لئے سکیمیں بناتے ہیں۔ بلکہ ایسے رہنما ہیں۔

جنہوں نے محنت کش عوام کے دوش بدوش جاگیر شاہی کے مظالم سہے اور پھر قبائلی حملے کے دوران میں خود محاذِ جنگ پر نکلے اور دشمن کی گولی سے زخمی ہوئے۔ لیکن عزم میں لغزش نہ آئی۔ اعلےٰ پایہ کے ادیب ہیں۔ اُن کا تصنیف کردہ قومی جھنڈے کا گیت چالیس لاکھ عوام کا قومی ترانہ بن چکا ہے وہ بیان جو آپ نے مطلق العنان حکمران کی عدالت میں دیا سیاسی اہمیت کے علاوہ دائمی ادبی حیثیت رکھتا ہے۔ کشمیر کے بہترین اردو مقررین میں سے ہیں ہنگامی حکومت میں وزیر تعلیم تھے۔ اور آج کل اپنا سارا وقت نیشنل کانفرنس کی تنظیم کو مضبوط کرنے میں لگا رہے ہیں۔

قومی کلچرل محاذ :۔ کشمیر میں گذشتہ دو سال سے جہاں کئی طرح کے سیاسی تغیر آئے۔ وہاں ادب اور آرٹ میں بھی ایک انقلاب آیا۔ دبی ہوئی چنگاریوں نے شعلوں کی شکل اختیار کر لی اور شعلے بھڑکتی ہوئی آگ بن گئے۔ جس نے فن برائے فن جیسی بوسیدہ تھیوریوں کو خاک میں ملا دیا۔ قومی کلچرل محاذ بھی ایسے ہی فن کاروں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے انتھک کارکن شہری اور دیہاتی عوام کو متحد ہو کر دو قوموں کی فاشی نظریوں، جاگیرداری نظام کی بچی کھچی یادگار مطلق العنانی اور مفادِ خصوصی کے مالک سیاسی شاطروں کی چالوں کے خلاف لڑنے کا بلاوا دے رہے ہیں۔ اور اب تک شہروں اور دیہات کو بیسیوں گیتوں، آٹھ ڈراموں کے ہنگامی موضوعات پر تمثیلچوں اور ایک چھایا ناٹک کے ذریعے گرما چکے ہیں۔ کشمیری تہذیب و تمدن کے نشاۃ ثانیہ کے دور کی تکمیل میں کلچرل محاذ ایک اہم حصہ ادا کر رہا ہے۔

جیالال ناظر :۔ اگر آپ کشمیر کے گذشتہ ادب، مصوری، سنگیت، سنگتراشی یا تاریخ کے کسی بھی پہلو پر معلومات حاصل کرنے کے لئے بھاری بھرکم کتابوں کے سمندر میں غوطہ زن نہیں ہونا چاہتے تو آپ سیدھے ایس۔ پی۔ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر جیالال ناظر کے پاس جائیں۔ وہاں آپ کو معلومات کا وہ ذخیرہ ملے گا کہ آپ کانوں پر ہاتھ دھر کر کہیں گے "بس بابا بس لیکن اُدھر جواب آئے گا ٹھہرئیے۔ یہ ذرا سی تفصیل اور رہ گئی ہے۔ اسے بھی سنتے جائیے"

تاریخ کے ہر موضوع پر بے شمار مسودے غیر مطبوعہ پڑے ہیں۔ گذشتہ پچیس سال سے بچوں کو پڑھاتے رہے ہیں۔ لیکن غالباً اس ڈر

کی وجہ سے کہ اگر اپنے انفرادی علم کا اظہار کیا تو ڈیوٹی سے پہلو تہی نہ سمجھا جائے۔ بہت کم مواد پریس میں بھیجا۔ اب قومی حکومت آنے کی وجہ سے نئی نئی قابلیتوں کے خزانے دریافت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ تمام مسودات جو کبھی تفریح کے لئے لکھے گئے تھے۔ اب ادب اور تاریخ میں بیش بہا اضافے کا باعث بنیں گے۔

پرتھوی ناتھ کاچرو :۔ کشمیر میں ادب کے ساتھ ساتھ دوسرے فنونِ لطیفہ بھی ترقی کر رہے ہیں۔ کاچرو اور اس کے ساتھیوں کا فن اس چیز کی دلیل ہے۔ کہ کشمیر کے مصور بھی اپنے عوام کی جدوجہد میں اُتنے ہی شریک ہیں جتنا کہ دوسرے فن کار۔ کاچرو ایک نوجوان فن کار ہے۔ لاہور میں ایم۔ اے میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے طالب علم تحریک میں کام کر رہا تھا کہ فسادات کی وجہ سے لاہور چھوڑ کر سرینگر واپس آیا۔ اور قلم چھوڑ کر برش سنبھالا۔ اور یہاں اپنے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے پروگریسو آرٹس ایسوسی ایشن کو منظم کیا۔ وہ پرانی تکنیک کو الگ چھوڑتا ہوا بہت معمولی اور کم سے کم رنگ استعمال کرتا ہے۔ لیکن اُن میں وہ جان ڈال دیتا ہے کہ آپ اس کے آرٹ میں ہر جگہ زندگی کی جھلک دیکھیں گے۔ نئے کشمیر میں فنِ مصوری کو اس سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔

کماری وِجے :۔ جن لوگوں کو سنہ ۱۹۴۷ء میں لاہور کے طلباء کی عظیم جدوجہد سے واقفیت ہے۔ وہ وجے کے نام کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ مشہور اور پرانے ترقی پسند ادیب پرنسپل چھبیلداس کی بیٹی ہونے اور راجپت لائے ہال کے ماحول میں دیش بھگتی کے گہوارہ میں پلنے کے سبب ادب اور سیاست دونوں ذریعوں سے عوام کو بیداری کا پیغام دے رہی تھی۔ گذشتہ فسادات کے دوران میں پناہ گزینوں کے کیمپوں میں امداد کا کام منظم کیا۔ اور وہاں سے مظلوموں کے خون بھرے آنسو اور آہیں چنتی رہی ہے۔ اُس نے انگریزی شاعری میں پرو دیا لیکن اس کے ساتھ ہی اُس کے نوحہ فن میں بے بسی کی بجائے مستقبل میں ایک عظیم عوامی جدوجہد کا پیغام تھا۔ وہ کبھی مصنف ہونے کا دعوےٰ نہیں کرتی۔ کیونکہ اپنے خیال کے مطابق وہ ایک اونچے آدرش کے لئے لڑ رہی ہے۔ اور ادب کو وہ عوامی جدوجہد کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ مشرقی پنجاب

ب اسٹیٹ پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جھنڈے تلے طالبات کو منظم کرنے کی انچارج تھی۔ شہری حقوق کی حفاظت کی انجمن اور ترقی پسند مصنفین
ں بھی ممتاز رکن تھی۔ اب خبر ملی ہے کہ طلباء اور محنت کش عوام کی مشترکہ جد و جہد میں حصہ لینے کی پاداش میں غیر معین عرصے کے لئے نظر بند کر دی گئی ہے اور
اس کی ایم۔ ایل۔ اے آملک کے کہنے کے مطابق وہی گل کھلا جس کی مدت سے توقع تھی۔

فکر تونسوی :۔ "رام لال عرف فکر تونسوی ولد نصیحت رائے" کا نام نتیجہ ہے اُسکی طبع پناہ گزین کے اُس بھاگ ڈور کا جو کہ وہ کسٹوڈین
کے دفتر کے گرد چند سو روپیہ قرض لینے کے لئے کر رہا تھا۔ چھدرے کان بکھرے ہوئے لمبے لمبے بال گلے میں ٹوٹے بٹنوں کی قمیض کمر پر پھٹی ہوئی دھوتی
کاتہ بند اور پاؤں میں ٹوٹی ہوئی چپل پہنے جالندھر کی سڑکوں پر ملے۔ اپنے ہی جیسے دوستوں کے مٹر گشتی کرتے ہوئے وہ واقعی رام لال زیادہ اور
فکر تونسوی کم معلوم ہوتا تھا۔ اس زمانے میں آپ دیکھتے تو "ہونہہ یہ بھی کوئی شاعر ہے" کہکر گذر جاتے۔ پہلے پہل شخصیت کی طرح فن میں بھی
ابہام تھا۔ لیکن اب "آخری جنگ" سے اُس کی شاعری کے نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ فکر اب ایک نئی بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ نقادوں کا ایک
طبقہ اُس کو نثر نگار مانتا ہے۔ اور دوسرا شاعر۔ اب مستقبل ہی اِس چیز کا فیصلہ کر سکے گا۔ کہ یہ شاعر ہے۔ یا نثر نگار۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں
تین پرچوں رفتار۔ نیا ساز اور جمہیت کے سرورق پر بطور ایڈیٹر اِس کا نام آچکا ہے۔ اب یہ اس کی یا اُن پرچوں یا پھر اردو ادب کی بدقسمتی
سمجھئے۔ کہ اُن کی دوسری اشاعت نہ نکل سکی۔ آج کل جالندھر میں ہے۔ اور یہ رسالہ بازی کو خیرباد کہہ کر اپنے کہنے کے مطابق کچھ ٹھوس قسم کی
ادبی تخلیقات میں مصروف ہے۔

خواجہ احمد عباس :۔ بیرون کشمیر کے جن ادیبوں نے کشمیر کے دُکھ درد کو خود اپنا درد سمجھ کر اپنایا ہے۔ اُن میں سے عباس
کا درجہ سب سے بلند ہے۔ "زعفران کے پھول" توجدید افسانوی ادب میں کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلند پائے کا اخبار نویس ہونے کی
وجہ سے اُس کی ہر تصنیف میں ادب و سیاست ایسے سنگم پر ملتے نظر آئیں گے۔ جہاں سے انہیں کسی طرح بھی علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ سیاست

میں کسی ازم سے زیادہ انسانیت کا قائل ہے۔

اخبار نویسی اور خدمتِ ادب کے ساتھ ساتھ "دھرتی کے لال" جیسی فلموں کو تخلیق کرنے کا فخر بھی رکھتا ہے۔ آج کل بمبئی میں ہے ... کی کالم نویسی کے علاوہ شہید بھگت سنگھ کو فلمانے کے لئے اُس کی کہانی لکھنے میں مصروف ہے۔

بلراج کومل:۔ فیروز پور سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر اور انجمن ترقی پسند مصنفین کا سکریٹری کچھ عرصہ ہوا بی۔اے کا امتحان ... کر دہلی میں "پارسن" کے ادارے میں کام کرنے لگ گیا۔ اب جالندھر میں ہے۔ پچھلے فسادات کے دوران میں جن نوجوانوں نے اس عظیم سانحہ ...ں کی گہرائیوں سے محسوس کر کے بہترین طور پر نظم کے سانچے میں ڈھالا بلراج کومل کا نام اُن میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی شاعری میں جہاں زندگی کی گھن گرج ہوگی وہاں کولت (لطافت) کا احساس بھی ہر جگہ نمایاں ہوگا۔ اردو ادب کے مستقبل کو اس سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

اور آخر میں اگر سوہن ناتھ رینہ منیجر پروپرائیٹر مرکنٹائل پریس کا نام معاروں میں شامل نہ کیا جائے تو شدید بے انصافی ہوگی رینہ کشمیر کے اُن چند مالکِ پریسوں میں سے ہے۔ جنہوں نے اس فن کو باقاعدہ سیکھا اور اس کی ترقی کے لئے پوری کوشش کی۔ جن دنوں میں تعمیر چھپ رہا تھا۔ تو راستہ بند ہونے کی وجہ سے بلاک اور پریس کا دوسرا مصالحہ نہ ملتا تھا۔ یہ اس کی ہمت تھی کہ تعمیر میں آرٹ کا تمام کام بغیر بلاکوں کے کر دیا۔ اور ہم اپنے قارئین کی خدمت میں تعمیر کو طباعت کے لحاظ سے بھی ایک معیاری تحفہ سمجھ کر پیش کرنے کے قابل ہوئے۔

قارئین سے:۔ تعمیر آپکی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ براہِ مہربانی اپنی رائے اور مشورے سے مطلع فرمائیں تاکہ ہم آپکے ساتھ مِل کر اِسے ادب و سیاست کا مجموعہ بنا سکیں۔

خبر آئی ہے کہ وال سٹریٹ کے خداؤں نے جہاں دنیا میں ان کے سب سے بڑے دشمن چرچل کا استقبال کیا۔ وہاں کئی ملکوں کے نمائندوں کو یہ کانفرنس کرنے کے لئے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں آنے کی اجازت نہیں دی)

کشمیر کی انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنس:۔ نئے کشمیر میں نشاۃ ثانیہ کے دور کی تکمیل کے لئے یہ ضروری تھا کہ پرانی بورژوا تصویروں کی گھسی گھسائی بجائے علم کے تمام شعبوں تاریخ، اقتصادیات، فلاسفی، سیاسیات، فنونِ لطیفہ اور زبانوں کی نئے عوامی زاویئے سے تحقیق کی جائے جسمیں ایک طرف کا یکی فن سے فائدہ اٹھایا جائے دوسری طرف ماہرین علوم خود بھی تحقیق کر کے اِن علوم میں قابل قدر اضافے کا باعث بنیں۔ سکیم کے مطابق نہ صرف کشمیر بلکہ بیرونِ کشمیر سے بھی ماہرین منگوانے کا خیال ہے۔ جو کہ مختلف مضامین پر خاص لیکچر دینے کے ساتھ ساتھ تحقیق کا کام کریں گے۔ ابھی تک نیا کشمیر عوامی نظریے کا نام تھا موجودہ کشمیر میں اسے کسی طرح لاگو کیا جائے۔ اس کے لئے سکیمیں بنانے کا کام اس انسٹی ٹیوٹ کا ہوگا۔ اپنی ماہیت اور ترقی پسند کردار کے پیشِ نظر یہ ادارہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ ہوگا۔

چین:۔ آج سامراج کے لئے سب سے زیادہ جنوب مشرقی ایشیا کی عوامی تحریکیں ہی دردِ سر کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ انہیں بدنام کرنے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے بنائے جا رہے ہیں۔ چین کی جاگیردارانہ نظام کی نمائندہ حکومت نے عوامی جمہوریت کے سیلاب کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر تیار ہوگئی ہے۔ موجودہ دور میں یہ سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے بڑی شکست ہے اس وقت پیکنگ میں ہتھیار ڈالنے کی شرائط پر بات چیت ہو رہی ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اب چین میں ڈالر کی فریب کاریوں کا جنازہ نکل چکا ہے اور وہ دن دور نہیں جبکہ چین کی عوامی جمہوریت پوری شان کیساتھ دنیا کی باقی جمہوریتوں کے دوش بدوش کھڑی ہو کر انسانی تاریخ میں ایک نئے دور کے آغاز کا باعث بنے گی۔

دنیائے ادب و علم کو سانحات: پہلا المناک سانحہ تو ہندوستان کی مشہور راہنما اور انگریزی زبان کی قابلِ فخر شاعرہ شریمتی سروجنی نائیڈو کی موت ہے۔ آپ یو۔پی کی گورنر ہونے کے علاوہ "انجمن محبانِ روس" کی صدر بھی تھیں (باقی بر صفحہ ۱۱۵)

PRINTED AT THE KASHMIR MERCANTILE PRESS, RESIDENCY ROAD, SRINAGAR, AND PUBLISHED FOR 'TAMEER', SRINAGAR.